ہماری ویب ڈیجیٹل بک

غلام نبی مدنی

GHULAM NABI MADNI

ہماری ویب پر شائع شدہ تحریروں کا مجموعہ

E-BOOK SERVICES
Collection of Published Articles
By "Ghulam Nabi Madni"
at Hamariweb.com

نباضِ وقت کا خون

اللہ گواہ ہے دماغ ماؤف ہے۔دل ڈوب ڈوب جاتا ہے۔آنکھوں میں بار بار نمی آ جاتی ہے۔ قلم شل ہے۔خیالات منتشر ہیں ۔الفاظ غائب ہیں۔جملے جذبات کے سیلاب میں بہتے ہوئے کہیں دور نکل گئے ہیں ۔پورے وجود کو گھیر لینے والے حزن والم کا اظہار کیا جائے توکیسے کیا جائے ؟سوالات کی ایک یلغار ہے جو بار بار دماغ پر دستک دے رہی ہے۔کیا پاکستان کا آئین اپنے شہریوں کے مال ،جان ،عزت اور آبرو کے تحفظ کی ضمانت نہیں دیتا؟کیا کراچی حدود مملکت میں شامل نہیں ؟کیا ملک میں بسنے والوں کے لیے کوئی قانون ،کوئی اصول اور کوئی ضابطہ نہیں ہے؟کیا انہیں کھلی اجازت دے دی گئی ہے کہ وہ جب جہاں اور جیسے چاہیں ،شہر ،محلے اور کسی بھی شاہراہ کو بلاک کردیں۔

یہ اس عظیم ہستی کا دردِدل ہے جو مملکتِ اسلامی کی روزبروز بگڑتی ہوئی صورت حال پر اور آئے دن رونما ہونے والے المناک حادثات پر تادم مرگ خون کے آنسو بہاتا رہا ہے۔کونسی ایسی خوبی تھی جس کی تازگی کا احساس آپ کے دیدار سے نہ ہوتا ہو۔کونسی ایسی ہستی تھی جس کی رخصتی پر آپ نے مرثیہ نہ لکھا ہو۔کون سی ایسی برائی تھی جس کے مٹانے کے لیے آپ نے جان کی بازی تک نہ لگائی ہو۔کون

سا ایسا ظلم تھا جس کے خلاف آوازِ حق بلند نہ کی ہو۔ کون سی ایسی جگہ تھی جہاں علمِ الٰہی کی بہاریں نہ پہنچائیں ہوں ۔ دعوتِ قرآن اور دعوتِ اسلام کے لیے کیا کیا جتن نہیں اٹھائے ۔ کیا کچھ برداشت نہیں کیا ۔ کس قدر جذبہ ، ولولہ اور درد تھا اُن کے سینے میں اِس قرآن کی دعوت کو گھر گھر تک پہنچانے کے لیے کیا کیا خوبصورت تدبیریں کیں ۔ اس محنت کو بارآور بنانے کے لیے کون سا ایسا حربہ ہے جس کو نہ آزمایا گیا ہو ۔

کیا جرم تھا اُن کا، وہ تو خود خدا کے امتحان کو زندگی بھر ہنس کر اٹھاتا رہا، وہ بھلا کیا پنجہ آزمائی کر سکتا تھا کسی سے ؟ بس یہی اس کا جرم تھا، کہ وہ بے حمیت اور غفلت کی نیند سونے والی اِس بھولی بھالی عوام کو صدائے بلالیؓ کی گونج سے بیدار کرتے تھے۔ وہ پیغامِ الٰہی اور معرفت الٰہی کی چمکتی دمکتی کرنوں کو گھر گھر تک پھیلانا چاہتے تھے۔ یہی جرم تھا کہ وہ نام نہاد ، بے ضمیر اور بد کردار حکمرانوں کو ملک وملت کی آبرو کے ساتھ دو ہاتھ کرنے سے روکتے تھے۔ یہی جرم تھا کہ وہ اُٹھنے والے فتنوں کو بھانپ لیتے تھے اور پھر ایک ماہر نباض کی طرح اس کا علاج بھی کرتے تھے ۔ وہ ارضِ پاک میں پر سکون زندگی اور پر امن معاشرے کے قیام کے خواہاں تھے۔ وہ قتل وغارت گری کے ہولناک گھناؤ نے کھیل کے مخالف تھے ۔ وہ اس قوم کو اپنے آباء کی میراث اغیار کے ہاتھوں سے واپس دلوانا چاہتے تھے۔ وہ قوم کے ہر ہر فرد کو تعلیم

یافتہ دیکھنا چاہتے تھے ۔ وہ نظریہ تخلیق پاکستان کو عملا بحال کروانا چاہتے تھے۔ وہ ملک میں اسلامی نظام کے حامی تھے ۔اگر یہی جرم ہے ،تو پھر سب سے بڑے مجرم اس قوم کے نام نہاد لیڈر ہیں جو عوام کو دن بدن روشنی کے خواب دکھا کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اندھیرے میں رکھنا چاہتے ہیں ۔

افسوس ! ملک میں کسی قانون کی بالا دستی نہیں ہے۔ اس ملک یہاں سب سے بڑا مجرم سب سے بڑے عہدے پر براجمان ہوتا ہے اور ہے ۔ کوئی نہیں جو غریب کا پرستار ہو، کوئی نہیں جو غم زدہ کو دلاسہ دے۔بحثیت قوم ہماری بے توقیری بے حمیتی پر زمیں تو رہی فلک بھی اشک بہا رہا ہے۔ہماری نا انصافی پر اپنے تو اپنے غیر بھی نوحہ کناں ہیں۔جہاں دیکھو عدل ہی لٹ رہا ہے۔انصاف ہی جل رہا ہے۔ کسی کو ظلم نظر آتا ہے نہ ظالم ۔حکومتی اداروں سے لیکر عوامی اداروں تک ہر جگہ نا انصافی کی انتہا ہے۔اگر کہیں بد کردار لوگوں کی تشہیر کرنی ہو تو یہی میڈیا ہفتہ پہلے تشہیری مہم اس انداز میں چلاتے ہیں جیسے آج ہی بے حیائی کے گل کھلنے والے ہیں ۔اگر کہیں اسلام چاہنے والوں کے خلاف ہرزہ سرائی کرنی ہو تو باقاعدہ پروگرام نشر کیے جاتے ہیں اور اپنے آقاؤں کو خوش کیا جاتا ہے۔ لیکن اگر کہیں کسی مظلوم پر ظلم کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں تو اسکی فریاد سوائے خدا کے کوئی نہیں سنتا۔ کسی کو اس کے خون سے لت پت نعش پر دکھ نہیں ہوتا،اس کے معصوم بچوں اور غم زدہ لواحقین کی آہ وبکا سے کسی کے کلیجے نہیں

پھٹتے۔

اب ہمیں یہ فیصلہ کر لینا ہو گا کہ ہم کس راہ پر چلتے ہیں۔ قلم، ضمیر فروشوں کی صفوں کا انتخاب کرتے ہیں یا سچائی کے مشعل برداروں کے ہمنوا بن کر تاریخ کے سنہرے متون میں اپنی جگہ بناتے ہیں۔ اگر تو تلخی ایام کا گلہ کرتے رہنا ہے تو پھر یہ وقتی پھڑ پھڑاہٹ بھی ختم کرنی چاہیئے اس سے جور و ستم کی گھٹا ٹوپ اندھیری رات میں اجالا نہیں ہونے والا۔ یہ وقت ہے کہ ایک مفسر، قلم کار، نباضِ وقت کے خون کی خاطر یک جائی سے سفر کا آغاز کر دینا چاہیئے۔

کامیابی کا سفر

کامیابی ایک ایسی عظیم نعمت ہے جس کی تمنا ہر کسی کے دل میں زندگی بھر زندہ رہتی ہے۔ مسلمان ہو یا کافر، امیر ہو یا غریب، سیاستدان ہو یا تاجر ہر کوئی اس کے حصول کے لیے سرگرداں ہے۔ کامیابی ہی وہ منزل ہے جس کے لیے انسان مشکل سے مشکل کام کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اس کی خاطر مصائب اور تکالیف ہنس کر جھیل لیتا ہے۔ کامیابی کی اس منزل میں نہ موسم کی بے اعتنائیاں آڑے آتی ہیں نہ سردی گرمی کی سختیاں، نہ تیز ہوائیں رکاوٹ بنتی ہیں نہ برستے بادل۔ نہ زمانہ کے بدلتے رنگ حائل ہوتے ہیں اور نہ ہی موقع بہ موقع نظر آتی رنگینیاں اپنی جانب متوجہ کر سکتی ہیں۔ حالات جیسے بھی ہوں انسان سب کو شکست دے کر اپنی منزل کی طرف سفر جاری رکھتا ہے۔ اگر کسی موڑ پر اس کی محنت اور ہمت کا شیرازہ بکھر بھی جائے تب بھی وہ ناامیدی کے اندھیرے کو جہدِ مسلسل اور بلند ہمتی سے روشن کر دیتا ہے۔ کہتے ہیں ناکامی کامیابی کا پہلا زینہ ہوتی ہے۔

تاریخ انسانی میں جتنی عظیم ہستیاں گزریں اور جتنے سنہرے ادوار کے لطف و کرم کے ثمرات سے انسان مستفید ہوئے ان سب کے پسِ پشت ناکامی کے بعد جہد مسلسل اور بلند ہمتی ہی کارفرما تھی۔ محنت اور جہد مسلسل سے جو کارنامے

سرانجام دیے گیسے ان کی نظیر رہتی دنیا تک ملنا ناممکن ہے۔ عربی کا محاورہ ہے "من جدّ وجد" (جس نے کوشش کی اس نے پالیا)۔ اسی طرح ایک عربی شاعر نے یوں کہا "من طلب العلی سھرَ اللیالی" (جو بلندیوں کا طلبگار ہو وہ راتوں کو بیدار رہے)۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں جو ناممکن ہو۔ محنت اور جدوجہد سے ہر ناممکن کو ممکن بنایا جاسکتا ہے۔ محنت ہی مرد مومن کا وہ ہتھیار ہے جس کے ذریعہ بلندی کی اوج ثریا تک پہنچا جاسکتا ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا تھا :

محنت کرو عزیزو محنت سے کام ہوگا
کہتے ہیں بخت جس کو وہ آکر غلام ہوگا

دنیا میں جتنے بھی ممالک اور اقوام ترقی یافتہ ہیں اُن کی ترقی کا راز اسی محنت اور جہد مسلسل میں مضمر ہے۔ سہل پسندی، تن آسانی اور آرام طلبی سے بھلا کیسے ترقی کی جاسکتی ہے؟ بدقسمتی سے آج ہم مغرب کی جہاں اور کئی ناپسندیدہ باتوں میں مشابہت اور تقلید اختیار کرنے کو اپنے لیے باعث فخر سمجھتے ہیں وہاں ان کی ان عمدہ صفات کو اپنانے کی کوشش نہیں کرتے جن کی بدولت آج وہ ترقی اور خوشحالی کے مزے لوٹ رہے ہیں۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ جن لوگوں نے اپنے آپ کو اس بیش قیمت زیور سے آراستہ کیا وہ رہتی دنیا تک سنہرے الفاظ میں آب وتاب کے ساتھ چمکتے رہے ہیں اور رہیں گے (انشاءاللہ)۔ ایسی

عظیم ہستیوں کی ایک طویل فہرست ہے۔انہی درخشندہ ستاروں میں سے حال ہی
میں غرقہ شہادت اوڑھنے والے داعی قرآن حضرت مولانا اسلم شیخوپوری شہیدؒ بھی
ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ آپؒ بذاتِ خود ایک عظیم ادارہ تھے۔آپؒ کا مشن بلند
کار عظیم ،کار وسیع اور سوچ ایسی کہ جھونپڑے میں بیٹھ کر پوری دنیا پر قرآن کی،
بہاریں دیکھنے کا حسین خواب تھا۔آپؒ صبح کا آغاز جس قرآن کریم سے کرتے اِسی طرح
چڑھتی صبح اور بڑھتے سورج کے ساتھ مزاجا بھی اپنے مشن کو جاری رکھے ہوتے
تھے۔مسائل اور وسائل کی "ناکام" کہانی کا گزر کبھی آپ کے صفحات سے نہ ہوا تھا۔ملا
تو "روزی" نہ ملا تو "روزہ" کی حقیقی صورتِ حال کا مصداق تھے۔آپؒ کی مکمل زندگی بلند
ہمتی ، جہد مسلسل ، عزم مصمم اور شوق وجذبہ اور محنت ولگن کے جذبہ سے سرشار نظر آتی
ہے اور کٹھن لمحات اور حزن والم کی داستان سے رنگی ہوئی ہے۔بچپن سے جوانی تک
جوانی سے بڑھاپے تک آپ کی جدوجہد اور لگن تابندہ ادوار کے دلکش مناظر کی تصویر
کشی کرتی ہے۔چنانچہ بچپن میں ناگہانی آفت کے سبب دونوں ٹانگوں سے معذور ہو
گئے،لیکن یہ معذوری کمزوری نہ بنی اور نہ ہی آپ کے شوق وجذبہ کو کم کر سکی۔بعدِ
مسافت اور اسفار کی مشقتیں بھی آپ کے مقصدِ قرآنی کو متزلزل نہ کر سکیں۔
بس ایک درد تھا سینہ میں کہ گھر گھر اغیار اور اس کے آلہ کاروں کی آواز پہنچ سکتی ہے
قرآن کی "پکار" کیوں نہیں پہنچ سکتی ؟دشمن کی محنت ان کے مکروہ

عزائم اور منصوبوں کا رنگ دکھا سکتی ہے اسلام اور قرآن کی دعوت کیوں نہیں دکھا سکتی ؟دشمن اپنے مشن کا عَلم لوگوں کو تھما سکتا ہے قرآن کا عَلم بچہ بچہ کیوں نہیں اٹھا سکتا؟دشمن کی صدا پر لوگ لبیک کہہ سکتے ہیں قرآن کی "پکار" پر کیوں نہیں کہہ سکتے ؟دشمن جدید ذرائع ابلاغ کے بل بوتے پر نوجوان نسل کو فرنگی رنگ چڑھا سکتا ہے قرآن کا رنگ ابلاغ عامہ کے ذریعہ کیوں نہیں چڑھایا جاسکتا؟اغیار فحش پروگرامز کی تشہیر میڈیا کے ذریعہ کر سکتا ہے قرانی محفلوں کی تشہیر کیوں نہیں کی جاسکتی ؟

یہی درد تھا جسے بانٹنے کے لیے یہ مرد کوہ پیماں سر پر کفن باندھے گھر گھر شہر شہر کے چکر لگاتے تھے۔اسی درد کی خاطر اپنے گھر بار کو قربان کیا۔آرام و سکون کو غارت کیا۔قلم ہو یا خطابت ،درس قرآن ہو یا تدریسی مہمات ،انٹرنیٹ ہو یا فورم غرض ہر جگہ اس پکار" نے لوگوں کو پکارا۔پھر کیا تھا ! محنت بارآور ہونے لگی۔زندگی بھر جس مقصد" کے لیے مشقتیں برداشت کیں وہ پورا ہونے لگا۔کامیابی قدم چومنے لگی۔کراچی سے خیبر تک لاہور سے ملتان تک ہر جگہ اس درد کی "پکار" پر لبیک کہا گیا۔جوق در جوق لوگ حلقہ قرآن میں داخل ہوئے۔علماء کرام ہوں یا عوام الناس،ائمہ مساجد ہوں یا خطباء کرام ،تاجر برادری ہو یا وکلاء برادری مزدور ہو یا ریڑی بان سبھی نے اس مشنِ قرآنی کا علم اٹھایا۔اس درد کو اپنے سینہ میں اتار کر گھر گھر دعوتِ قرآنی کو

عام کرنے کا عزم کیا۔

ابھی کامیابی کی بہاریں آنے ہی لگی تھیں۔فرحت ومسرت کے حسین لمحات کو دیکھنا ہی شروع کیا تھا، کہ اعداءِ دین وملت کامیابی کی ان بہاروں کوسہ نہ سکے۔یہ روح پرور دلکش مناظر اور جنت کا نظارہ پیش کرتی محفلیں ان کو ہضم نہ ہو سکیں۔کیسے ہضم ہوتیں؟ پیغامِ قرآنی سے غفلت کی نیند سوئی ہوئی عوام بیدار جو ہو گئی تھی۔"پکار" کے درد سے دین دشمنان کے کالے کرتوتوں کا پول جو کھل گیا تھا۔آپ کی دعوت اور فکر سے عام آدمی نمازی جو بن گیا تھا کئی لوگوں کی زندگیاں جو بدل گئی تھیں۔ابلاغِ عامہ کے درست استعمال سے فحش اور زہریلے وائرس کا خاتمہ جو ہوگیا تھا۔بالآخر! دلیل کا جوب دلیل سے اور فکرِ صحیح کا جواب فکرِ صحیح سے دینے کی بجائے دشمن نے طاقت کو استعمال کیا اور اپنے ناپاک عزائم میں کامیاب ہوا۔اور یہ مرد کوہ پیماں اپنی محنت کے ثمرات سے مستفید ہو کر ابدی نعمتوں کی لازوال کامیابی سے ہمکنار ہوگیا۔اس عظیم خواہش کو پا کر جنت میں چلاگیا جس خواہش کی تمنا نبی کریم ﷺ نے کی تھی۔

الحمدللہ آپؒ تو رہے سرخرو! اب سوال یہ ہے کہ کس طرح آپؒ کے مشن اور درد کو زندہ رکھاجائے اور آنے والی نسلوں تک آپؒ کی "پکار" کو پہنچایا جائے؟اس کا جواب ےہ ہے کہ کامل طورپر اس مشنِ قرانی کے لیے کمر بستہ ہواجائے اور حضرت

کے طرز کے مطابق اس کام کو آگے بڑھایا جائے۔ قدیم، جدید تمام ذرائع ابلاغ کو احسنؒ طریقے سے بروئے کار لایا جائے۔ اس کے علاوہ حضرتؒ کے خصوصی مشن کو دروسِ قرآن کے ذریعہ بھی جاری رکھا جا سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت مفتی ابولبابہ شاہ منصور لکھتے ہیں: "کہ ہر عالم اگر جمعہ کو خطبہ اور اتوار کو درسِ قرآن کریم دینا شروع کر دے تو اللہ کی قسم! سمجھو شیخوپوریؒ کو شہید کرنے والے بدبخت ہار گئے اور داعی قرآن مر کر بھی زندہ ہو گیا۔ اگر ماہر قرآن دورئہ تفسیر کے ساتھ دورئہ کورس قرآن بھی مختصراً کروا کر درسِ قرآن کروادیا کریں تو یہ ہمیشہ کے لیے صدقہ جاریہ ہوگا"۔ اہلِ مدارس کے لیے حضرتؒ نے ایک رہنما اصول بیان فرمایا: چنانچہ ایک مرتبہ ہمارے استاد حضرت مولانا احمد ادریس صاحب سے فرمایا "کہ ثالثہ، خامسہ تک ترجمہ پر زیادہ زور دینا چاہیے۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ طلباء کرام کی عادت بنائی جائے کہ وہ از خود کسی مستند ترجمہ سے مطالعہ کرکے لائیں اور استاد تفسیر کردیا کریں اس سے طلباء میں فہمِ قرآنی کی استعداد اور ذوق پیدا ہوگا۔" بہر حال! حضرتؒ کی سوچ، مشن، کا ربہت بلند تھا جسے جاری رکھنے کے لئے ٹھوس حکمت عملی کے تحت کام کرنا ہوگا اور حضرتؒ کی کامیابی کے سفر کو رہتی دنیا تک جاری رکھنا ہوگا۔ دراصل یہی دشمن کو منہ توڑ اور مسکت جواب ہے۔

لمحہ فکریہ

مادیت کے اس دور میں اہمیت صرف ان چیزوں کی ہے جن کی چکا چوند کرنوں سے آنکھیں چندیا جاتی ہیں۔ہر اس چیز کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے جو پر کشش اور جاذب نظر ہو، خواہ اس کا تعلق اشیاء خورد ونوش سے ہو یا بیش قیمت ملبوسات سے ہو یا پھر بلند وبالا عمارتوں سے ہو۔انسانی فطرت اس چیز سے بہت جلد متاثر ہوتی ہے جس کی ظاہری صورت اور بناوٹ خوبصورت اور حسین ہو۔یہی وجہ ہے کہ انسانی زندگیوں پر ہم جنسوں کی عادات اور اقوال ،افعال کا کافی حد تک اثر ہوتا ہے۔

دور حاضر میں انسان کئی چیزوں کا عادی اور غلام بنا ہوا ہے۔بے شمار چیزیں ہیں جن کے بغیر انسان زندگی کو ادھورا اور نامکمل تصور کرتا ہے، جیسے موبائل ،ٹی وی، کمپیوٹر اور اخبارات وغیرہ۔اگر یوں کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ دور حاضر میں جدید ذرائع ابلاغ کا انسانی زندگیوں پر گہرا اثر ہوا ہے۔ہر کوئی پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کے سحر میں مبتلا نظر آتا ہے۔اگرچہ الیکٹرانک میڈیا کا بہت زور شور ہے لیکن تجربات سے ثابت ہوتا ہے کہ پرنٹ میڈیا یعنی اخبارات ،کتب اور رسائل سے حاصل ہونے والا علم ٹیلی ویژن اور کمپیوٹر کے ذریعہ حاصل ہونے والی معلومات سے کہیں زیادہ اثر انگیز ہوتا ہے۔پرنٹ

میڈیا میں جو چاشنی ہے وہ دیگر ذرائع ابلاغ میں نہیں ہے۔یہی وجہ ہے آج بھی صحافت کا جو معیار ہے اور مقولیت ہے وہ الیکٹرانک میڈیا کا نہیں ہے۔اس کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ الیکٹرانک میڈیا کی تخلیق اور شور سے اخبارات میں اضافہ ہوا ہے کمی نہیں ہوئی۔

یہ حقیقت ہے عوام میں بیداری، حریت پسندی اور حب الوطنی کا جذبہ پیدا کرنے میں جتنا نمایاں کردار صحافت کا ہے شاید ہی کسی اور کا ہو۔ماضی قریب اور بعید میں جتنے انقلاب اور حادثات رونما ہوئے ان کا پیش خیمہ یہی صحافت بنی، کیونکہ صحافت وہ سوچ اور فکر ہے جو حکمرانوں اور رعایا کی بیک وقت ترجمانی کرتی۔صحافت ہی وہ آواز ہے جو لوگوں کو سڑکوں پر لاسکتی ہے اور غافل قوموں کو امید کی کرن دکھا سکتی ہے۔صحافت وہ زبان ہے جو مکروہ چہروں کو بے نقاب کرتی ہے۔صحافت وہ عظیم فن ہے جس کے قلم کی قسم خدا تعالی نے خود کھائی۔صحافت نام ہے اس قلم کا جس کے ذریعہ عظیم نعمت کی تعلیم دی گئی۔صحافت نام ہے مطالعہ اور محنت کا نہ کہ جہالت اور کام چوری کا۔صحافت نام ہے خود داری اور عزت کا بد تمیزی، تکبر اور غرور کا نہیں۔صحافت سیاست اور چاپلوسی کا نام نہیں ہے، صحافت ایک مقدس پیشہ ہے جس کے ذریعہ ظلم کی روک تھام کی جاتی ہے اور مظلوم کے زخموں پر مرہم رکھی جاتی ہے۔عدل وانصاف کا علم اٹھایا جاتا ہے اور معاشرے سے برائیوں کا خاتمہ کیا جاتا ہے۔معذرت کے ساتھ !آج

صحیح معنوں میں نہ صحافت نظر آتی اور نہ اس کی بو۔نام نہاد لوگ مقدس شعبہ کا لبادہ اوڑھ کر عزت ،دولت اور شہرت کی خاطر قلم کا استعمال کر رہے ہیں ۔زن،زر اور زمیں کی ہوس میں قید ہو کر حرمت قلم اور حریت فکر کو سستے داموں بیچ رہے ہیں۔ صحافت کو محض پیشہ سمجھ کر اس کی ساکھ اور معیار کو برباد کر رہے ہیں ۔اس سے نا صرف لوگوں کی حقوق پامال ہو رہے ہیں بلکہ معاشرتی برائیاں بھی جنم لے رہی ہیں۔آزادی صحافت کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ اپنی من مانی کی جائے ،خواہشات کی خاطر لوگوں کی زندگیاں تباہ کی جائیں ۔

الحمد للہ اس پر فتن دور میں ایماندار،خوددار،دردمنداور عدل پسند باعزت اور باوقار لوگ موجود ہیں جو حرمت قلم کی پاسداری کر رہے ہیں۔ایسے با صلاحیت ،حق پرست اورنڈر لوگوں سے آج بھی یہ زمیں بھری پڑی ہے جنہوں نے اس عظیم کار کے مشن کا علم بلند کر رکھا ہے۔جو ظلم کے خلاف آواز بھی لگاتے ہیں اور عدل وانصاف کے پرچار کے لیے جدوجہد بھی کر رہے ہیں ۔ایسے لوگوں کی کمی نہیں جن کی دامن رشوت اور چاپلوسی سے پاک ہیں ۔ایسی عظیم ہستیاں اب بھی موجود ہیں جو خواہشات کی تکمیل کے لیے ناجائز طریقوں سے نفرت کرتے ہیں اور ناجائز کمائی پر قناعت اور فقر کو پسند کرتے ہیں۔جن کے لیے معاشرے میں ایک مقام اور عزت ہے۔لمحہ فکریہ ہے !ان نام نہاد صحافیوں کے لیے جو سب ایک کشتی کے سوار ہیں لیکن اس کے باوجود ان کی سوچ،فکر اور قلم ظالموں اور بد کردار لوگوں

کو تحفظ دینے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جن کی نظریں ہرے لوگوں کی جیبوں پر جمی ہوتی ہیں۔ افسوس ہے ! ان پر جو چند کوڑیوں کے عوض اس مقدس شعبے کی تکریم کو خاک میں ملا دیتے ہیں۔

مسیحا یا موت کے سوداگر

ڈاکٹر ،انجینئر ،سائنس دان اور ٹیچر معاشرے میں ایک مقام رکھتے ہیں ۔ان کی خدما ت قابل ستائش اور قابل بیاں ہوتی ہیں ۔ہر کوئی ان کی شخصیت اوران کے مقدس پیشہ کو سلام کرتا ہے ۔خصوصا ڈاکٹراور اساتذہ کی جتنی قدر دنیا میں ہوتی ہے شاید ہی اتنی کسی اور شخصیت کی ہوتی ہو۔ڈاکٹروں کا پیشہ مسیحائی پیشہ ہے ۔یہ ایسا مقدس پیشہ ہے جس سے انبیاءاور اولیاءاللہ جیسی عظیم ہستیاں منسلک رہی ہیں ۔جاں بہ بلب اور تڑپتے مریضوں کا آخری سہارا یہی ڈاکٹر بنتے ہیں ۔رات دن دکھی انسانیت کی بے لوث خدمت کرکے ان کی دعائیں لیتے ہیں اور آخرت میں مستحق اجر ٹھہرتے ہیں ۔زمانہ کے بدلتے رنگ ہوں یا حالات کی تلخیاں اور بے رخیاں ،برستے بادل ہوں یا کڑکتی بجلیاں ، کوئی بڑی سی بڑی مصیبت بھی ان کے مقصد کو متزلزل نہیں کر سکتی۔ہر وقت خدمت خلق میں مصروف رہنا انہی لوگوں کا شیوہ ہے۔

لیکن اصل بات وہی ہے کہ انسان کتنا اعلی ، باکردار اور باعزت ہو اس کی سوچ اور اس کا منصب کتنا ہی بلند ہو مگر اس کا مقام ، کردار اور عزت اور منصب اس وقت پاش پاش ہو جاتے ہیں جب وہ اپنے فرض منصبی اور حسن اخلاق سے پہلو تہی کرتا ہے۔اخلاقیات انسان کی شخصیت کو اجاگر کرتی ہیں ۔فرائض کی ادائیگی

انسان کو معاشرے میں باعزت اور باوقار بناتی ہے۔اس کے برعکس فرائض سے سبکدوشی اور غفلت نہ صرف انسانی شخصیت کو متاثر کرتی ہے بلکہ معاشرے کے بگاڑ اور فساد کا سبب بھی بنتی ہیں۔اس وقت ارضِ پاک جن مسائل سے دوچار ہے اس کی اہم وجہ فرض منصبی کی بر وقت ادائیگی میں غفلت اور لاپرواہی کرنا ہے۔مغرب کی ترقی کا راز فرض منصبی کی بر وقت ادائیگی ہی میں پنہاں ہے۔

پاکستان میں آئے دن جو ہنگامے اور ہڑتالیں ہوتی ہیں اس سے ہر درد مند پاکستانی کا دل دکھتا ہے۔لیکن گذشتہ چند دنوں سے پنجاب میں ینگ ڈاکٹروں کی ہڑتال کے باعث ہر پاکستانی کو سخت صدمہ ہوا ہے۔پنجاب کے چھوٹے بڑے شہروں میں ینگ ڈاکٹروں کی ہڑتال ایک افسوسناک امر ہے۔ان کے اس رویہ سے معاشرے میں ڈاکٹروں اور ان کے مقدس پیشہ سے نفرت کو ہوا مل رہی ہے اور اقوام عالم کی نظر میں پاکستان کا امیج بری طرح متاثر ہو رہا ہے۔تعجب ہے !ان مسیحاؤں کی سوچ اور انداز پر کہ غریب نادار، مفلس اور سسکتے مریضوں کو چھوڑ کر اپنی خواہشات اور مطالبات منوانے کے لیے ہسپتالوں کے تالے لگا کر سڑکوں پر احتجاج کر رہے ہیں۔آخر مریضوں کو تڑپتے چھوڑ کر مسیحا کس راہ پر چل پڑے ہیں ؟کیا ان کا پیشہ اس بات کی اجازت دیتا ہے ؟پیشہ چھوڑیئے ،ذرا! اپنے ضمیر سے اس کا فیصلہ کیجئے۔کیا آپ کا ضمیر آپ کو اس بات کی اجازت دیتا ہے۔۔۔؟نہیں نہیں،ایسا تو حیوانوں کے ساتھ بھی نہیں کیا جاتاانسان تو پھر بھی

انسان ہے۔ اگر سبزی فروش ہڑتال کریں تو عوام اشیاء خوردو نوش سے محروم ہو جاتے ہیں اور اگر سی این جی ، پٹرول پمپ مالکان سڑکوں پر نکلیں تو ٹرانسپورٹ بند ہو جاتی ہے، لیکن اگر یہ مسیحا ہڑتال کریں تو اس کا نتیجہ ظاہر ہے کسی بھی صورت درست نہیں نکلتا۔ گذشتہ سال انہی ڈاکٹروں کی ہڑتال کے باعث کئی جانیں ضائع ہوئیں۔ اپنے جائز مطالبات کے لیے احتجاج اور ہڑتال کرنا ہر اس شخص کا حق ہے جس کی حق تلفی ہو رہی ہو۔ لیکن یہ احتجاج اس وقت احتجاج رہتا ہے جب پر امن ہو، نہ کسی کا نقصان ہو اور نہ کسی کی حق تلفی۔ دنیا میں ہر طبقہ اپنے مطالبات کے لیے احتجاج اور ہڑتال کرتا ہے مگر ڈاکٹروں کا احتجاج اور ہڑتال کبھی سننے میں نہیں آئی۔ برطانیہ میں ڈاکٹروں نے اپنے مطالبات کے لیے احتجاج کرنے کا ارادہ کیا مگر اس ارادے کو صرف اس لیے ترک کر دیا کہ اس سے نقصان سراسر مریضوں کو ہوگا۔ لیکن کمال جایئے ! ان کی ذہانت پر کہ انہوں نے اپنے مطالبات کے لیے احتجاج کیا مگر پر امن طریقہ سے۔ پوسٹل سروس والوں کو اپنی جگہ احتجاج کے لیے کھڑا کیا اور اپنے مطالبات منوا لیے۔

جہاں تک پنجاب میں ینگ ڈاکٹروں کی ہڑتال اور ان کے رویہ کا تعلق ہے تو وہ سراسر مریضوں کے ساتھ زیادتی اور ناانصافی ہے۔ پنجاب حکومت کے مطابق ینگ ڈاکٹروں کو مراعات اور الاؤنسز کے علاوہ جو تنخواہیں دی جاتی ہیں وہ دیگر

صوبوں کے ڈاکٹروں کی بنسبت زیادہ ہے۔اعداد و شمار کے گھوڑوں کو دوڑایا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی کہ دیگر سرکاری محکموں کی بنسبت ان مسیحائی پیشہ وروں کا کتنا خیال رکھا جاتا ہے۔چنانچہ ایک 17 سکیل کا افسر جو دیہی علاقوں میں فرائض سرانجام دیتا ہے اسے تقریبا 60ہزار روپے جبکہ سول افسر کو 29ہزار ماہ وار ملتے ہیں۔اسی طرح گریڈ 18کے ڈاکٹروں کی تنخواہ 81ہزار سے ایک لاکھ تک ہے اور گریڈ 20 میں کام کرنے والے ڈاکٹر ایک لاکھ سے 2لاکھ 29ہزار روپے وصول کرتے ہیں۔اس کے علاوہ الاؤنسز کی مد میں ایک خطیر رقم ان مسیحاؤں پر خرچ کی جاتی ہے۔ان میں ہیلتھ سیکٹر الاؤنس کی مد میں تقریبا5ہزار سے 30ہزار تک اور ہیلتھ پروفیشنل الاؤنس کی صورت میں 10ہزار سے 15ہزار تک ماہوار ملتے ہیں۔ان تمام مالی فوائد کے باوجود ینگ ڈاکٹروں کی ہڑتال سمجھ سے بالاتر ہے۔ان کے مطالبات کو پورا کرنے کے لیے تقریبا 20 سے 22ارب روپے کی خطیر رقم کا تخمینہ لگایا گیا ہے۔یہی وجہ ہے پاکستان ڈاکٹر فورم کے سربراہ ڈاکٹر انوار الحق نے اس ہڑتال کو بلاجواز قرار دیا ہے۔

افسوس صد افسوس ! جن غریبوں نے لاکھوں روپے ٹیکسوں کی مد میں خرچ کرکے ان مسیحاؤں کے اخراجات برداشت کیے اور ان کو اس مقام تک پہنچایا آج وہی ڈاکٹر ان غریبوں کے علاج معالجے سے انکاری ہیں۔چند دن قبل وزیر اعلی پنجاب نے

مسیحاؤں کے بدلتے تیور کو درست سمت لانے کے لیے انقلابی قدم اٹھایا اور اخبارات میں ینگ ڈاکٹروں کی ہڑتال کے باعث مریضوں کو پیش آمدہ صورت حال کے پیش نظر والدین کے نام خط لکھا، جس میں والدین سے اپیل کی گئی کہ وہ اپنے بچوں کو پر امن رہنے کی تلقین کریں اور جاں بہ لب مریضوں کی سسکیوں کو دیکھ کر ینگ ڈاکٹروں کی ہڑتال ختم کروائیں۔ دردِ دل رکھنے والے ینگ ڈاکٹروں کو چاہئے کہ وہ جلد از جلد ہڑتال ختم کرکے دکھی انسانیت کی خدمت اور اپنے فرض منصبی کی ادائیگی کے لیے ڈیوٹیوں پر واپس آجائیں گے۔ یہی اس پیشہ سے وابستہ افراد اور مسیحاؤں سے توقع کی جاسکتی ہے۔ ورنہ یہ مسیحا معاشرے میں موت کے سوداگر بن جائیں گے۔

مسلم نسل کشی اور امت مسلمہ کی تماشہ بینی

ہمدردی، غم خواری، محبت، انسانیت اور اخلاقیات کا جنازہ نکلتا جا رہا ہے۔ معاشرتی، معاشی، قومی اور بین الاقوامی سطح پر عدل و انصاف کا شیرازہ بکھرتے دیکھ کر ہر درد مند تڑپ اٹھتا ہے۔ ظلم کے شرارے گھروں سے محلوں تک، محلوں سے شہروں تک اور شہروں سے ملکوں تک پھیلتے جا رہے ہیں۔ جہاں دیکھو غریب، کمزور ظلم و جبر کی چکی میں پس رہا ہے اور ظالم ظلم کی بہتی گنگا میں ہاتھ دھو رہا ہے۔ طبقاتی گروہ بندیاں معاشرے کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہی ہیں۔ لسانی فسادات کے پتنگے جگہ جگہ اڑ رہے ہیں۔ اغیار کی غارت گری اور دجالی فتنہ سازوں کی انسانیت دشمنی، نسل کشی اور تعصبات کے زہریلے اثرات پانی کی طرح پھیل رہے ہیں۔ اسلام دشمن طاقتوں کی طاقت اور غرور کو توڑنے والے صلاح الدین ایوبی اور محمد بن قاسم کے جانشین ہاتھ پے ہاتھ دھرے خاموش تماشائی بنے بیٹھے ہیں۔ حد ہو گئی! مسلم حکمرانوں کی بے حسی اور بے فکری کی جنہیں اسلام کی فکر ہے نہ مسلمانوں کی۔ نہ ختم ہونے والی خواہشات کی تکمیل میں اپنے ہم عصروں کو شکست دینے کی فکر ہے لیکن جبر و تشدد کے پہاڑ توڑنے والے عناصر کو شکست دینے کی زحمت تک گوارہ نہیں کی۔

فلسطین ہو یا کشمیر، عراق ہو یا افغانستان، شام ہو یا برما ہر جگہ ظلم کی آگ بھڑک رہی ہے۔ نہتے اور بے سہارا مسلمانوں کو بے دردی سے کچلا جارہا ہے۔ آئے دن مسلمانوں کے ساتھ ناروا سلوک، بہیمانہ تشدد اور تڑپا دینے والے غیر معمولی واقعات کسی سے ڈھکے چھپے نہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے مسلم نسل کشی کے واقعات اور ناپاک منصوبے اسلام کی آمد ہی سے شروع ہو گئے تھے۔ رحمۃ اللعالمین ﷺ کو جو تکلیفیں دی گئیں وہ اسی منصوبے کا پیش خیمہ تھیں۔ ماضی بعید میں تاتاری یلغار، چنگیز خان اور ہلاکو خان کی دراندازی بھی مسلم نسل کشی کا شاخسانہ تھی۔ حال ہی میں بلاد عرب میں تبدیلی کی لہر اسی منصوبے کو تقویت دینے کے لیے بھڑکائی گئی۔ فلسطین، کشمیر اور دیگر اسلامی ممالک میں جو امن کے ٹھیکداروں کی غنڈہ گردی جاری ہے وہ بھی اسی دجالی منصوبے کا حصہ ہے۔ لادین قوتیں اپنے ناپاک عزائم کو حقیقت کا روپ دینے کے لیے وقتاً فوقتاً شتر بے مہار کی طرح غنڈہ گردی اور دہشت گردی کی بھونڈی حرکات اور مختلف حربے مختلف مقامات پر استعمال کر رہی ہیں۔ کہیں حقائق کو تبدیل کرنے کی تبلیغ کی جارہی ہے تو کہیں خوشحالی کا ڈھنڈورا پیٹ کر منصوبہ بندی کی مہم چلائی جارہی ہے۔ مادر پدر آزاد معاشرے کی تشکیل کے لیے سادہ لوح عوام کو طرح طرح کے ہتھیاروں کے ذریعہ جکڑا جارہا ہے۔

گذشتہ چند دنوں سے مسلم کشی کے ناپاک منصوبے کے تحت برما میں مسلمانوں پر

ظلم کیا جارہا ہے۔ بدھ مت دہشت گرد مسلمانوں کی نسل کشی میں مصروف ہیں ۔دہشت گرد اور غنڈہ گردی کی اس مذموم حرکت میں اب تک 300 سے زائد مسلمان شہید ہو چکے ہیں 20 دیہات اور 1600 کے لگ بھگ مکانات صفحہ ہستی سے مٹادیے دیے گئے ۔ان وحشی درندوں کے درندگی کے باعث 5 لاکھ سے زائد افراد ہجرت کرنے پر مجبور ہو چکے ہیں ۔مردہ دل اور حواس سے خالی بدھ مت حکومت کی یہ مسلم نسل کشی مہم کوئی نئی بات نہیں ۔ 1942ء میں بدھ مت حکومت ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ چکی ہی۔اسی طرح 1978 میں بھی ایک لاکھ سے زائد مسلمان ان کی بربریت اور درندگی کا نشانہ بن چکے ہیں۔اور 1991 میں بھی قتل عام کے سبب 5 لاکھ افراد بنگلہ دیش میں پناہ لے چکے ہیں۔لیکن ان سب مظالم کے باوجود مسلمان مٹے ہیں نہ مٹیں گے ۔ظلم وجبر کے ان تمام مصائب کو جھیل کر بھی ان کے پایہ استقلال میں کمی واقع نہیں ہوئی۔یہی وجہ ہے کہ 64 سال سے کشمیر میں جاری ظلم وجبر کی آگ بھڑک رہی ہے مگر پھر بھی آزادی کی تحریک رواں دواں ہے۔زیادہ دور کیوں جائیں ؟افغانستان ہی کو لے لیجئے 10 سال سے قتل وغارت گری کا بازار گرم ہے، لیکن مجال ہے ! کہ ان درویش صفت کوہساروں نے اپنے موقف میں تبدیلی کی ہو یا کسی ڈیل کے نتیجہ میں اپنے موقف میں لچک پیدا کی ہو۔

لیکن۔۔۔تف ہے ! انسانی حقوق کی علمبردار تنظیمیں انسانی حقوق کی آڑ میں اپنے

مخصوص اہداف ومقاصد کی خاطر دنیا کی نظروں میں دھول جھونکتی ہیں۔دنیا میں امن وامان قائم کرنے کے ٹھیکداروں کا یہ دوہرا معیار لمحہ فکریہ ہے خواب غفلت کے مزے لوٹنے والے مسلم حکمرانوں اور مسلم امہ کے لیے، جن کی سست روی اور کاہلی کی بدولت آج کشمیر ،افغانستان اور برما میں خون کی ہولی کھیلی جارہی ہے۔آج ماؤں کو گودیں محمد بن قاسم اور صلاح الدین ایوبی جیسے سپوت پیدا کرنے سے بانجھ ہوچکیں ہیں۔اگر ہماری بے حسی ،بے ضمیری اسی طرح برقرار رہی تو کفر ہماری نسلوں کو تہس نہس کر دے گا اور تاریخ کے جھروکوں میں ہم مجرم اور قصوروار ٹھہریں گے ۔50 سے زائد اسلامی ملکوں ،بے شمار اسلامی تنظیموں اور پہلی اسلامی ایٹمی طاقت کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کریں اور کفر کے دوہرے معیار کو بے نقاب کرکے اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں اور خاموش تماشائی بننے کی بجائے عملی جدوجہد کا باقاعدہ آغاز کریں۔

نیا زمانہ، نئی صبح، نئی شام پیدا کر

ایک چراغ سے سو چراغ جلتے ہیں۔ یہ حقیقت اور مشاہدہ کے عین مطابق ہے۔ اگر یوں کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ ایک دیا اپنے ارد گرد کی سینکڑوں اشیاء کو روشن کر سکتا ہے بلکہ کرتا ہے۔ یہ ہی حال ایک معلم اور استاد کا ہے جس کے چشمہ سے قیامت تک لوگ سیر اب ہوتے ہیں۔ علم ایک ایسی روشنی ہے جس کی کرنیں چار دانگ عالم میں ضرور پھیلتی ہیں۔ صدیوں تک لوگ اس کی بہاروں کے مزے لوٹتے ہیں۔ معاشرے کی تعمیر وترقی میں علم کا بنیادی کردار ہے اور معاشرے میں بگاڑ کا سب سے بڑا سبب بھی علم سے انحراف ہے۔ کیونکہ ظاہری بات ہے جو آدمی صاحب علم ہوگا وہ یقینا ہر اس کام سے اجتناب کرے گا جس سے لوگوں کو نقصان ہو۔ عموما معاشرے میں بگاڑ اور فساد جاہلوں کے رویہ سے ہی آتا ہے۔ پھر علم میں کوئی تخصیص بھی نہیں، دنیاوی علم ہو یا دینی، انجینئرنگ کا علم ہو یا حدیث کا، ڈاکٹری کا علم ہو یا فقہ کا، علم صحافت ہو یا علم زراعت سبھی علوم معاشرے میں روشنی پھیلاتے ہیں اور ان تمام علوم سے وابستہ افراد معلم اور متعلّم کے لقب سے پکارے جاتے ہیں۔

دنیا میں رائج ایسے بے شمار علوم ہیں جن کی تحقیق اور تعلیم پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ ان علوم کی حفاظت اور ترویج کے لیے بہت سے ایسے ادارے اور افراد

ہیں جن پر لاکھوں روپیے روزانہ خرچ کیے جاتے ہیں۔اس کے علاوہ بہت سے ایسے علوم ہیں جن میں طبقاتی گروہ بندیاں ہیں۔ایک طبقہ ایک علم کو حاصل کرنے کے لیے اتنی تگ ودو کرتا ہے کہ دیگر علوم اس کے سامنے ہیچ ہوتے ہیں، جبکہ دوسرا طبقہ اس علم کو اپنے لیے زہر قاتل سمجھتا ہے۔اس علمی فرقہ واریت کا نتیجہ یہ نکلا کہ نابلد لوگ معلّمین بن بیٹھے ہیں اور معاشرے میں جہالت پروان چڑھ رہی ہے۔لیکن آج بھی ایسے بے شمار ادارے اور لوگ موجود ہیں جو میانہ روی کے زیور سے آراستہ ہیں، ہر فن، ہر میدان کے شہسوار ہیں اور علمی طبقاتی گروہ بندیوں سے کوسوں دور ہیں۔علم ومعرفت کی روشنیاں انہی لوگوں کے سینوں سے پھوٹتی ہیں۔یہی لوگ ہیں جو علوم پر لگی گرد وغبار کو صاف کرتے ہیں۔

ان اداروں میں مدارس اور مدارس کے فیض یافتہ بھی ہیں۔مدارس دینیہ ایک تاریخ رکھتے ہیں، ان کی افادیت اور ان کی خدمات کی بدولت معاشرے میں علم کی پھیلتی کرنیں آج بھی ایک عام مسلمان کو اس کے عقیدے کے ساتھ وابستہ رکھتی ہیں۔مدارس علماء اور فضلاء کی ایک کھیپ تیار کر رہے ہیں اور ان مدارس میں پڑھنے والے بوریہ نشین جہاں معاشرے میں پھیلتی انارکی وگمراہی کا سدباب کرتے ہیں اور مسلمانوں کے عقیدے کے محافظ ہیں وہیں وطن عزیز پاکستان کی جغرافیائی، نظریاتی حدود کے بھی محافظ ہیں۔ان سب باتوں کے باوجود مدارس کے فضلاء کی خاطر خواہ تعداد قلم سے اپنا رشتہ ناتہ توڑ چکی ہی۔وہ قلم جس کی

عظمت کا چرچہ اللہ کے کلام میں موجود ہے اہل علم کی سستی ،لاپرواہی کی بدولت آج یہ قلم اسلام دشمن قوتوں کا آلہ بن چکا ہے۔آئے روز نت نئے چربے استعمال کرکے مسلمانوں کے عقائد کو متزلزل کرنے کی بھونڈی سازش کی جاتی ہے۔مغربی افکار سے آلودہ روشن خیال لوگوں کے قلم اسلام ،مسلمانوں اور مدارس کے خلاف زہر اگلتے ہیں۔یہی قلم جب مولنا ظفر علی خان،ابوالکلام آزاد کے ہاتھ میں تھے تو زمیندار اور الہلال جیسے پاکیزہ افکار کے حامل اخبار اور جریدے مسلمانوں کی درست سمت فکری رہنمائی کرتے اور مسلمانوں میں جذبہ حریت پیدا کرنے میں مدد ومعاون ثابت ہوتے تھے۔لیکن۔۔۔! وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حالات بھی بدلتے گئے۔قلم کو ذریعہ معاش بنا لیا گیا۔حرمت قلم کو پامال کیا جانے لگا آزادی اظہار رائے کے نام پر عوام کو گمراہ کرنے کی روایت پڑ گئی۔ان حالات میں ایک مسیحا کا انتظار تھا جو تمام فرسودہ رسموں کو ختم کر دے اور معاشرے میں انقلاب برپا کردے۔

چنانچہ انہی مدارس کے فیض یافتہ مولنا عبدالقدوس محمدی صاحب نے حالات کی نزاکت کو سمجھا،وقت کی نبض پر ہاتھ رکھا،اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ایک اچھی روایت قائم کر ڈالی۔مدارس کے جدید فضلاء جو حیرانگی کی وادیوں میں بھٹکتے پھرتے تھے ان کے لیے امید کی شمع جلائی۔مدارس میڈیا ورکشاپ کے نام سے ننھا سا پودہ لگایا اب یہ ننھا پودہ بڑھتے بڑھتے تناور،

درخت بن گیا ہے۔ اس سائبان کے نیچے 20 دن کی مختصر مدت ہیں بیٹھے ، سسکتے، خوشہ چینی کرتے تشنگان تشنگی دور کرکے ملک وملت کی رہبری اور رہنمائی میں مصروف ہیں۔ میڈیا ورکشاپ کے پھل جناب عظمت علی رحمانی،فرحان فانی ، عبداللہ شارق، توصیف احمد قومی اخبارات کے ادارتی صفحوں پر گاہے بگاہے متنوع موضوع لیے جلوہ افروز ہوتے ہیں۔اسی ورکشاپ کے پروردہ عظمت علی رحمانی نے آئی ٹی کی دنیا میں تہلکہ مچانے والی کم عمر ارفع کریم کی زندگی پر دختر پاکستان کے عنوان سے جامع ، مفصل کتاب تصنیف کی، جس میں دختر پاکستان کو کم عمری میں ملنے والی شاندار کامیابیوں کو احسن انداز میں زیب قرطاس کیا گیا۔اس کے علاوہ بہت سے ایسے نام ہیں جن کا تذکرہ یہاں مشکل ہے۔

بہر حال ! مولنا عبدالقدوس محمدی صاحب کی یہ کاوشیں بہت سے لوگوں کی راہنمائی کے لیے نمونہ ہیں۔ جو لوگ پر امن اور خوشحال معاشرے کی تشکیل میں اپنا کردار ادا کرنا چاہیں ان کے لیے حضرت کے نقش قدم پر چلنا بے حد موثر ہے۔ کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ دنیا میں جو قومیں ترقی یافتہ ہوئیں یا ہیں ان کی ترقی کا راز جدید علوم سے آراستگی میں مضمر ہے۔اگر آج بھی ہم دنیا کی نظروں میں اپنا مقام پیدا کرنا چاہتے ہیں اور ترقی یافتہ اقوام کی صفوں میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو ضرور ہمیں ان علوم کو سیکھنا ہوگا۔ذرائع ابلاغ کے خاردار میدان میں کودنا ہوگا اور اس میدان میں اپنا سکہ منوانا ہوگا، تب

جا کر ہم اقوام عالم میں اپنا کھویا ہوا مقام بحال کر سکتے ہیں۔ شاعر مشرق نے اس
حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا:

دیارِ مشرق میں اک مقام پیدا کر نیا زمانہ، نئی صبح، نئی شام پیدا کر

دوہری شہریت اور امپورٹڈ وزرائے اعظم

ہر ملک اور ہر ریاست اپنے شہریوں کی جان، مال کے تحفظ کی ضامن ہوتی ہے۔ کسی بھی ملک کے شہری پر لازم ہوتا ہے کہ وہ ریاست کے قوانین کے پاسداری کرے۔ یہ حقیقت ہے کہ ریاست کا شہری ریاست کے قوانین کی پاسداری اسی وقت کر سکتا ہے جب ریاست سے اس کو محبت ہو۔ اور ظاہر بات ہے ریاست سے محبت وہی کر سکتا ہے جو ریاست کی مٹی میں پروان چڑھے اور بود و باش ریاست میں رکھے۔ کیونکہ فطرت انسانی ماحول سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ ماحول آدمی کی تہذیب، ثقافت کی عکاسی کرتا ہے۔ ریاست کی پہچان اس کی تہذیب اور ثقافت سے ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ریاست کی بقاء کے لیے تہذیب اور ثقافت کی بقاء ضروری ہوتی ہے۔ اسی طرح ریاست کی بقاء کے لیے یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ ریاست کے تینوں اہم ستون مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ مضبوط ہوں۔ اگر یہ تینوں ادارے بااختیار اور مضبوط نہ ہوں اور باہم تناؤ و خلفشار سے دوچار ہوں تو ریاست بدامنی اور بد حالی کا شکار ہو جاتی ہے۔ آج دنیا میں جتنے ممالک ترقی یافتہ ہیں ان کی ترقی کی وجہ تمام اداروں کا بااختیار اور مضبوط ہونا ہے۔

بد قسمتی سے آج پاکستان جس صورت حال سے دوچار ہے اس کی اہم وجہ اداروں کا

بااختیار اور مضبوط نہ ہونا ہے۔ تمام ادارے باہم تناؤ کا شکار ہیں۔ حکومت اور عدلیہ میں تناؤ کوئی نئی بات نہیں۔ 2008 سے اب تک ملک کے دونوں ادارے دست و گریباں ہیں۔ اگر عدالت معاشرے میں امن و امان کی خاطر کوئی اچھا اقدام کرے تو مقننہ اس میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔ این آر او کا مسئلہ ہو یا سوئس کیس کا قضیہ، توہین عدالت ہو یا دوہری شہریت تمام عدالتی فیصلوں کو حکومت تسلیم نہیں کرتی۔ دولت کی خاطر عزت قربان کرنے کی روایت موجودہ حکومت میں دیکھنے کو ملی۔ عدلیہ کا منہ بند کرنے کے لیے حکومت نے توہین عدالت اور دوہری شہریت میں ترمیم کرنے کا مسودہ تیار کرلیا ہے۔ یہ ایک افسوسناک خبر ہے۔ کیونکہ اگر توہین عدالت کے قانون کو ختم کردیا جائے تو معاشرے میں ہر فرد شتر بے مہار بن جائے گا۔ کرپشن، لوٹ مار اور بدامنی کی فضاء ہموار ہوگی جس سے معاشرہ میں بگاڑ اور فساد پیدا ہوگا جو ملک کی سالمیت اور بقاء کے لے کسی صورت درست نہیں۔ اسی طرح اگر دوہری شہریت کی اجازت دیدی جائے تو ملکی بقاء اور سلامتی پر سوالیہ نشان لگ جائے گا۔ کیونکہ ظاہر بات ہے ایک آدمی جو بیک وقت کئی ممالک کی شہریت کا حامل ہو اس پر دونوں ملکوں کے آئین اور قوانین کی پاسداری لازمی ہوگی۔ اور یہ بات محال ہے کہ کئی ممالک کے شہریت کے حامل افراد سب ملکوں کے قوانین اور آئین کی پاسداری کریں، کیونکہ ان ممالک کی سوچ، نظریہ اور پالیسیاں یکساں مختلف ہیں۔ اگر ایک آدمی پاکستانی ہے اور اس کے پاس برطانوی شہریت ہے تو دونوں ملکوں کے

نظریہ اور قوانین میں زمین وآسمان کافرق ہے، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ برطانوی شہریت کے حامل رکن پارلیمنٹ ملک کے تحفظ کے لیے خاطر خواہ کارکردگی کا مظاہرہ کرے؟ یہی وجہ ہے کی چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری نے دوہری شہریت کیس کی سماعت کے دوران ریمارکس دیتے ہوئے کہا کہ اگر دوہری شہریت ختم نہ کی گئی تو امپورٹڈ وزرائے اعظم کی آمد کا سلسلہ جاری رہے گا جو ملک وملت کے لیے نقصان کا باعث بنے گا۔ سپریم کورٹ نے دوہری شہریت کے حامل ارکان پارلیمنٹ کی رکنیت معطل کرکے نہایت احسن اقدام کیاہے۔جہاں تک غیر ملکوں میں مقیم پاکستانیوں کا تعلق ہے تو ان کو انتخابی عمل میں حصہ لینا چاہئے ،لیکن اہم اور کلیدی عہدوں پر فائز ہونے کی قطعاً اجازت نہیں ہونی چاہئے۔ کیونکہ تجربہ سے ثابت ہے کہ جتنے بھی غیر ملکی شہریت کے حامل افراد پارلیمنٹ کے رکن بنے تو پاکستان کو شدید نقصان اٹھاناپڑا۔شوکت عزیز کی مثال سب کے سامنے ہے،آنجناب آمر دور میں وزیر اعظم بنے اور ملک کو داؤ پر لگاکر عنقاء ہوگئے۔اوراس سے پاکستان کو جو نقصان ہوااور ہورہاہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ اس پس منظر میں دیکھا جائے تو موجودہ حکومت کا توہین عدالت اور دوہری شہریت میں ترمیم کرنے کافیصلہ سراسر غلط ہے۔حزب اقتدار اور دیگر جماعتوں کو چاہیے کہ وہ حکومت کو ان تنازعات سے دور رکھیں اور ٹوٹی پھوٹی جمہوریت کے تسلسل

کو برقرار رکھنے میں اپنا کردار ادا کریں، کیونکہ پاکستان اب مزید حادثات اور واقعات کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

نوجوان مسیحاؤں کا کردار

18 جون 2012ء کو ینگ ڈاکٹرز نے ہڑتال کا آغاز کر دیا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ گزشتہ چار سالوں کے دوران بھی کم و بیش وہ پانچ مرتبہ ہڑتالیں کر چکے ہیں۔ ینگ ڈاکٹرز کا موقف یہ ہے کہ ان کے مطالبات کو تسلیم کیا جائے۔ ورنہ وہ ہڑتال بند نہیں کریں گے۔ لیکن اس کے برعکس حکومت پنجاب کا موقف یہ ہے کہ وہ پچھلے سال ہی ینگ ڈاکٹر کی تنخواہوں میں خاطر خواہ اضافہ کر چکی ہے اب ہر سال ان مطالبات کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

محکمہ صحت کا کہنا ہے کہ اگر ینگ ڈاکٹر کے مطالبات کو مانا جائے تو مراعات فراہم کرنے پر 370 ارب سے زائد خرچ آئے گا۔ جبکہ ینگ ڈاکٹرز کا کہنا ہے کہ کل خرچ 6 ارب سے زائد نہیں ہے۔

جہاں تک ینگ ڈاکٹر کے مطالبات کا تعلق ہے ان میں سے بعض تو بالکل ٹھیک ہیں اور کسی حد تک مانے جا سکتے ہیں جیسے ینگ ڈاکٹرز کا کہنا ہے کہ بیوروکریٹ کی طرح ان کے بھی پے سکیل ترتیب دیئے جائیں تاکہ تجربے کے ساتھ ان کے درجے میں بھی ترقی ہو۔ ایک رپورٹ کے مطابق صوبے میں بھرتی کئے جانے والے 50 فیصد

ڈاکٹرز اسی تنخواہ پر ریٹائر ہو جاتے ہیں جن پر انہیں بھرتی کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ان کا مطالبہ ہے کہ انہیں انتظامی مسائل جیسے چھٹی کی درخواست کی منظوری کے لیے بھی سیکرٹریٹ جانا پڑتا ہے۔ جہاں وہ سرکاری ملازمین کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں۔ اور یہ اختیار میڈیکل سپرنٹنڈنٹ کو دے دینا چاہیے۔ یہ ایسے مطالبات ہیں جنہیں تسلیم کر لینے میں حرج نہیں بلکہ میڈیکل کے شعبے میں ترقی کی نوید بن سکتے ہیں۔ لیکن ان نوجوان مسیحاؤں کا منفی رویہ اختیار کرنے اور مریضوں کے لیے محض اپنے مطالبات نہ مانے جانے کی صورت میں علاج و معالجے سے انکار کر دینا کسی طور پر درست نہیں کیونکہ ان کے اس منفی فعل سے صرف انکا شعبہ متاثر نہیں بلکہ عام شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے جن میں مذہبی راہنماؤں سے لے کر ایٹمی سائنسدانوں اور ایک مزدور سے لے کر بڑے بڑے تاجروں تک کا بنیادی حق ہے۔ جس سے کبھی بھی محروم نہیں کیا جاسکتا۔ سرکاری ہسپتالوں میں علاج کرانے والوں کی اکثریت متوسط و غریب اور نادار لوگوں کی ہوتی ہے جن میں سے بعض تو محض کرائے ادا کرنے پر بھی قادر نہیں ہوتے اور ان کے ساتھ یہ ظلم انتہائی نازیبا ہے۔ جس کی ہر ممکن حوصلہ شکنی ضروری ہے۔

ینگ ڈاکٹرز کی اکثریت ان ہونہار ڈاکٹرز پر مشتمل ہے جنہوں نے سرکاری اداروں میں محض دو ہزار روپے ماہانہ فیس ادا کر کے ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کی ہے۔ جبکہ حکومت نے ان کی تعلیم میں خرچہ ہونے والے لاکھوں روپے خرچ کا بوجھ

برداشت کیا اور اخراجات عوام کا پیسہ ہوتے ہیں۔ جو حکومت کسی نہ کسی مد میں ان سے وصول کرتی ہے۔ اس لحاظ سے بھی یہ پبلک کے ساتھ سراسر ناانصافی ہے۔ گزشتہ سال بھی ینگ ڈاکٹرز نے ہڑتال کی جو کہ ایک سال طویل عرصے پر محیط تھی۔ حکومت پنجاب نے ان کے مطالبات کو تسلیم کرتے ہوئے 5ارب روپے کے پیکج کا اعلان کیا تھا۔ اگر ڈاکٹروں اور دیگر محکموں کے سرکاری افسران کی تنخواہوں کا تقابل کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تنخواہوں میں اضافے کا مطالبہ کس حد تک درست ہے۔ دیہی علاقے میں سکیل 17 کا ڈاکٹر اسے 60 ہزار روپے جبکہ سول آفیسر کو 29 ہزار روپے تنخواہ ملتی ہے۔ شہری علاقے میں سکیل 17 کے ڈاکٹرز کو 48 ہزار سے 72 ہزار تک جبکہ دوسرے محکموں کے اس گریڈ کے آفیسر کی تنخواہ اضافہ نہیں کیا جاتا۔ گریڈ 18 کے ٹیچنگ ہسپتال کا ڈاکٹر ایک لاکھ 19 ہزار سے دو لاکھ 29 ہزار روپے وصول کرتا ہے۔ جبکہ گریڈ 20 کے سول آفیسر کی تنخواہ ایک لاکھ چار ہزار بنتی ہے ڈاکٹر کے مالی حالات بہتر بنانے کے لیے اضافی الاؤنس بھی ملتا ہے۔اس کے نتیجے میں گریڈ 17 سے 20 گریڈ کے ڈاکٹرز کی دوسرے محکموں کے اسی گریڈ کے آفسیروں سے 106 سے 372 فیصد زیادہ مالی فوائد حاصل ہوتے ہیں ۔ایمرجنسی وارڈ میں کام کرنے والے ڈاکٹروں کو بنیادی تنخواہ کا 50 فصید زائد ملتا ہے۔ ینگ ڈاکٹرز نے اپنے مطالبات مرحلہ وار پورے کرنے کا جو عندیہ دیا ہے اس کی لاگت 26236.864 ملین روپے بنتی ہے۔

اتنی خطیر رقم ڈاکٹرز کی مراعات میں خرچ ہو جانے کے باوجود ینگ ڈاکٹرز کا بار بار مطالبہ غیر اخلاقی ہے۔ ان مسیحاؤں نے اپنی طبّی تعلیم قوم کی خدمت کے لئے حاصل کی ہے۔ اگر یہی لوگ قوم کے لئے وبالِ جان بن جائیں تو افسوس ناک امر ہے۔ ینگ ڈاکٹرز کو چاہئے کہ وہ فوری طور پر ہڑتال بند کر دیں اور اپنے مطالبات پر زور دینے کی بجائے کوئی مثبت پہلو اختیار کریں اور عوام الناس کی خدمت میں مخلص بن کر مصروف ہو جائیں کیونکہ معاشرہ ان سے بہت سی توقعات وابستہ کئے ہوئے ہے۔

آخر میں ینگ ڈاکٹرز کے والدین سے بھی دردمندانہ درخواست ہے کہ وہ اپنے ہونہار بچوں کو سمجھائیں اور انہیں قوم کی خدمت کے جذبے کا احساس دلائیں تاکہ وہ سوسائٹی کی امیدوں پر پورا اتر سکیں اور اپنے فرائض بہترین طریقے سے انجام دے سکیں۔

توہین قرآن اور امت مسلمہ کی بے حسی

اسلام معتدل اور امن پسند مذہب ہے۔اخوت ، محبت ، سچائی ، رواداری ، ہم آہنگی ، یگانگت ، انصاف اور اخلاقیات کا درس دیتا ہے۔اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس میں نہ دھوکہ دہی کی گنجائش ہے نہ کذب بیانی کی ، نہ منافقت کا تصور ہے نہ عہد شکنی کا ، نہ کرپشن کی اجازت ہے نہ انصاف کی دھجیاں اڑانے کی ۔اسلام کے سایہ تلے امیر غریب ، حاکم محکوم سب برابر ہیں ۔یہی وجہ ہے کہ اسلامی تعلیمات تمام ادیان سے بہتر اور غالب ہیں۔ کیونکہ اس میں غریب کے حقوق بھی موجود ہیں اور امیر کی امارت اور سیادت کی حد بندی بھی متعین ہے، عورت کے حقوق پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اور مرد کی اطاعت و فرمانبرداری پر بھی زور دیا گیا ہے ، چھوٹوں پر شفقت کرنے کا حکم بھی ہے اور بڑوں کی تکریم کرنے کی تلقین بھی ہے ۔اسلام کمزور، لاچار ، ناتواں اور معذور لوگوں کی کفالت کا درس بھی دیتا ہے اور مظلوم پر ڈھائے جانے والے مظالم کی حوصلہ شکنی بھی کرتا ہے۔الغرض اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے جس میں پوری انسانیت کے لیے ہدایت ہی ہدایت ہے۔

اسلامی تعلیمات میں دو چیزوں کو خصوصی اہمیت حاصل ہے ، نبی آخر الزمان ﷺ اور قرآن مقدس۔یہ دونوں اسلام کی اساس ہیں ان کے بغیر اسلام مکمل ہو سکتا ہے

نہ مسلمان۔ حلقہ اسلام میں داخل ہونے کے لیے جس طرح نبی آخر الزمان پر ایمان لانا اور ادب واحترام کرنا لازم ہے ٹھیک اسی طرح قرآن مقدس پر ایمان لانا اور ادب واحترام کرنا ضروری ہے۔قرآن اور صاحبِ قرآن ﷺ کی توہین اور گستاخی کسی صورت برداشت نہیں ،یہی وجہ ہے کہ ان کی توہین کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔تاریخ اسلامی گواہ ہے کہ جب بھی کسی ملعون نے ان مقدس ستونوں کو گرانے کی کوشش کی تو فیروز دیلمیؓ، غازی علم الدین اور عامر چیمہ جیسے سرفروشان اسلام نے ان کے وجود سے فوراً زمین کو پاک وصاف کر دیا۔ مسلمانوں کو ان دونوں سے جتنی عقیدت اور محبت ہے ان کو الفاظ کی لڑی میں پرونا مشکل ہے۔ادنیٰ سے ادنی مسلمان بھی ان کے خلاف ایک لفظ تک نہیں سن سکتا۔لیکن ۔۔۔زن،زر اور زمین کی ہوس نے امت مسلمہ کو بے ضمیر کر دیا ہے۔آئے دن توہین رسالت اور توہین قرآن کی جاتی ہے پھر بھی ہم غفلت سے بیدار نہیں ہوتے۔ کبھی گستاخانہ خاکہ شائع کیے جاتے ہیں تو کبھی قرآن مقدس کو جلایا جاتا ہے، کبھی یہ مذموم حرکت ملعون "ٹیری جونز" کرتا ہے اور کبھی اسلامی مملکت میں چھپے میر جعفر اور میر صادق کے جانشین کرتے ہیں۔ لیکن ان ہر کاروں کو لگام دینے کے لیے کوئی نہیں اٹھتا،نہ حکمران یہود ونصاریٰ سے وفاداریاں چھوڑتے ہیں نہ عیش پرست قوم خواہشات ترک کرتی ہے۔بس برائے نام چند دن کے لیے احتجاج کیا جاتا ہے اور مذمتی قرار دادیں پاس ہوتی ہیں جن کا اثر نہ ملعونوں پر ہوتا ہے نہ میر جعفروں پر۔

امت مسلمہ کی بے حسی ، بے توقیری اور نام نہاد حکمرانوں کی چاپلوسی کی وجہ سے آئے روز "کفر" مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرتا ہے۔ گذشتہ دنوں بہاولپور کے قریب احمد پور شرقیہ کے علاقہ میں آستین کے سانپ نے مسلمانوں کی مقدس کتاب کو سر عام چوک میں جلایا ، پولیس اور قانون سے متنفر عوام نے اس ملعون کو فورا جہنم واصل کر دیا۔ اس ملعون کی پشت پناہی کے لیے نام نہاد انسانی حقوق کی تنظیمیں تو کیا اسلام کے دعویدار بے ضمیر حکمران بھی چیخ اٹھے کہ یہ سراسر انسانی حقوق کے خلاف ہے ۔ میڈیا نے بھی منافقت اور دوغلے پن کا مظاہرہ کیا ، واقعہ کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا اور دنیا کو غلط تاثر دیا کہ یہ ملعون "معذور" تھا۔ اور تو اور معاشرے میں امن وامان قائم کرنے والے بھی بول اٹھے کہ یہ ملعون "ذہنی مریض" تھا۔ کوئی ان عقلمندوں سے پوچھے بھلا "ذہنی مریض" کو جلانے کے لیے صرف قرآن ہی ملا؟ افسوس ! دنیا میں جب بھی یہ مذموم حرکتیں کی جاتی ہیں تو نام نہاد تنظیمیں متحرک ہو جاتی ہیں اور مجرم کو بچانے کے لیے اسے " ذہنی مریض "کا لقب دے دیا جاتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ذہنی مریض صرف قرآن ہی جلاتے ہیں ؟ غور کیا جائے تو یہ حقیقت خوب واضح ہو جاتی ہے کہ اس جیسے تمام واقعات سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کروائے جاتے ہیں ۔ ویسے بھی کفر "کی یہ عادت رہی ہے کہ وہ مسلمانوں کو زک پہنچانے کے لیے اس طرح کی حر" کتیں کرتا رہتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آخر یہ سلسلہ کب تک جاری ساری رہے گا۔ کیا

اس کی روک تھام کے لیے کوئی مناسب اقدام نہیں کیا جائے گا۔۔؟یقیناً کیا جائے یہی وقت کی ضرورت ہے۔

بحثیت مسلم ہمارافرض بنتا ہے کہ ان واقعات کی روک تھام کے لیے منظم ادارہ بنایا جائے بلکہ پہلے سے موجود اداروں کو فعال کیا جائے جو پوری دنیامیں ان واقعات کے خلاف عملی کام کریں ،احتجاج اور فرضی قراردادیں پاس کرنے کی بجائے اسلامی تشخصات کی حفاظت کریں۔اسی طرح ملک پاکستان میں قانون نافذ کرنے والوں کافرض بنتاہے کہ وہ عملاً قانون کا نفاذ کریں اور ان واقعات کا سد باب کریں کیونکہ اگر یہ ادارے قانون کے مطابق سزایاکاروائی نہیں کریں گے تو پھر یا "توزندہ جلانے کی روایت پڑجائے گی" (جس کی اسلام قطعاً اجازت نہیں دیتا) یا پھر ممتاز قادری جیسے سپوت اور نڈر لوگ پیدا ہوں گے۔

کامیابی کا راز

عزت ، دولت ، شہرت ، بادشاہت ، امارات اور سیادت کی تمناہر انسان کرتا ہے۔امیر ہو یا غریب ، بڑا ہو یا چھوٹا، مسلمان ہو یا کافر ہر کوئی ان کے حصول کے لیے جدوجہد اور مشقتیں اٹھاتا ہے۔ان فانی اشیاء کی خاطر انسان دن کی پرواہ کرتا ہے نہ رات کی ، نہ گرمی کی تپتی لوئیں انسان کے عزم کو متزلزل کرتی ہےں نہ سردی کی یخ ہوائیں ہمت پست کرتی ہیں ، نہ موسم کی سختیاں آڑے آتی ہیں نہ زمانہ کی بے رخیاں منزلِ مقصود میں رخنہ ڈالتی ہیں ۔حالات جیسے بھی ہوں انسان ان کے حصول کے لیے ہمہ وقت سرگرم رہتا ہے۔ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ دنیا کے لیے رول ماڈل ، آئیڈیل بنے ، معاشرے میں اس کا مقام ہو، لوگ اس کی عزت کریں ، لیکن بہت کم لوگ ہوتے ہیں جو کامیابی کی منزلوں کو چھوتے ہیں، بلندیوں پر پرواز کرتے ہیں اور قصرِ سلطانی کے گنبد پر تخت نشین ہوتے ہیں ۔ کیونکہ عام طور پر انسان سہل پسندی ، تن آسانی اور عیش کوشی کے خوگر ہوتے ہیں اور کامیابی ایک ایسی عظیم نعمت ہے جس کے حصول کے لیے محنت اور جدوجہد ضروری ہے۔

معاشرے اور تاریخ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں جتنے لوگ عظیم ، ہیرو اور لیڈر بنے ان کی کامیابی کا راز محنت ، جدوجہد ، لگن ، خود اعتمادی ، ثابت

قدمی ، تعینِ منزل ، مثبت سوچ ، صبر واستقامت اور وقت کی قدر و قیمت میں مضمر ہے ۔ تقریبا جتنے لوگ آئیڈیل بنتے ہیں ان کی زندگیوں میں یہ نو چیزیں قدرِ مشترک کے طور پر نظر آتی ہیں ۔ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ ایک باب اور کتاب ہے۔ لیکن خصوصا وقت کی قدر و قیمت کو بہت اہمیت حاصل ہے، کیونکہ وقت ان تمام چیزوں کا محور ہے۔ وقت اللہ کی ایک ایسی عظیم الشان نعمت ہے جو امیر ، غریب ، عالم، جاہل سب کو یکساں حاصل ہے۔ وقت کی مثال اس برف سے دی گئی ہے جو کڑکڑاتی دھوپ میں رکھی ہو جس سے فائدہ اٹھا لیا تو ٹھیک ہے ورنہ وہ بہر حال پگھل جائے گی ۔اس وقت مسلم معاشرہ جن آفتوں کا شکار ہے ان میں سے ایک ضیاعِ وقت بھی ہے۔ یورپی معاشرہ اپنی تمام تر خامیوں کے باوجود وقت کا قدر داں ہے اور زندگی کو ایک نظام کے تحت کے گزارنے کا پابند ہے، جس کی بدولت آج دنیا میں سائنس و ٹیکنالوجی میں امام کی حثیت رکھتا ہے۔ جو قومیں وقت کی قدر کرنا جانتی ہیں وہ صحراؤں کو گلشن میں تبدیل کر سکتی ہیں ، فضاؤں پر قبضہ کر سکتی ہیں ، عناصر کو مسخر کر سکتی ہیں ، زمانہ کی زمامِ قیادت سنبھال سکتی ہیں اور ستاروں پر کمندیں ڈال سکتی ہیں ، لیکن جو قومیں ضیاعِ وقت کرتی ہیں تو وقت بھی انہیں ضائع کر دیتا ہے۔ ایک عربی شاعر نے اپنے درد کا اظہار یوں کیا: جس کا مفہوم یہ ہے "کہ وقت ایسی نفیس ترین شئے ہے جس کی حفاظت کا تمہیں مکلّف بنایا گیا ہے، جب کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے پاس یہی چیز آسانی سے ضائع ہو رہی ہے"۔ وقت کی دودھاری تلوار ہمارے شب و روز کو مسلسل کاٹے جا رہی ہے ، ہمیں موت

کی طرف دھکیلے جارہی ہے لیکن ہم ہیں کہ خواب غفلت سے بیدار ہی نہیں ہوتے ۔
کامیابی کے لیے صرف وقت کی قدر و قیمت ہی ضروری نہیں بلکہ محنت اور جدوجہد بھی ضروری ہے ، کیونکہ جتنی قومیں یا افراد تاریخ کے سنہرے حروف کی زینت بنے اور دنیا میں عظیم کارنامے سرانجام دے گئے وہ صرف اور صرف محنت ،جدوجہد کی بدولت ہی ہوا۔اسی طرح ثابت قدمی اور خود اعتمادی بھی کامیابی کے لیے اہم ہے کیونکہ خود اعتمادی ایک ایسی خوبی ہے جس کے ذریعہ انسان اپنے آپ میں چھپی صلاحیتوں کو اجاگر کر سکتا ہے ،ثابت قدمی تو تمام کاموں کی ماں ہے کیونکہ نبی آخر الزمان ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے "کہ اللہ کے ہاں محبوب ترین اور پسندیدہ عمل وہ ہے جو دائمی ہو اگرچہ کم ہو ۔مثبت سوچ ذہنی اور روحانی استعداد میں اضافہ کرتی ہے اور صبر واستقامت کے بغیر تو" زندگی گزارنا ہی مشکل ہے کیونکہ حالات ایک جیسے نہیں رہتے ،نہ ہمیشہ خوشی رہتی ہے نہ غمی ۔

بہر حال کامیابی ایک ایسی نعمت ہے جس کی تمنا ہر کسی کے من میں ہوتی ہے لیکن اس تمنا کو حقیقت میں بدلنے کے لیے گنے چنے لوگ ہی محنت کرتے ہیں اور کامیابیوں سے سرفراز ہوتے ہیں ۔اگر ہم بھی سائنس و ٹیکنالوجی ، تعلیم و تعلم کے میدانوں میں کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں ،ترقی یافتہ اقوام کی صفوں

میں شامل ہو کر دنیا میں انقلاب لانا چاہتے ہیں، معاشرے کے لیے رول ماڈل بننا چاہتے ہیں، اور اسلاف کی لوٹی ہوئی میراث واپس لانا چاہتے ہیں تو ہمیں ضرور ان اصولوں کو اپنانا ہوگا۔ کامیابی کا راز انہی اصولوں میں مضمر ہے۔

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

زرخیز زمینیں ، خوبصورت آبشاریں ، لہلہاتے کھلیان ، سرف پوش پہاڑ ، قدرتی وسائل اور فطرتی صلاحیتیوں سے بھرپور نوجوان پاکستان کے وجود کا حصہ ہیں ۔ جغرافیائی اور سرحدی اعتبار سے اہم محل وقوع کے حامل ملک میں کسی چیز کی کمی نہیں ۔ توحید کی قوت بھی ہے اور ایٹمی طاقت بھی ، دنیا کی بہترین فوج بھی ہے اور بلند حوصلے والے مر مٹنے والے باشندے بھی ہیں ۔ کمی ہے تو صرف اور صرف انصاف پسند ، دیانتدار ، باکردار اور دردِ دل رکھنے والے مسیحا کی جو اس ملک کو کرپشن ، جہالت ، خیانت اور ظلم کی دلدل سے نکال دے ، ہر سو پھیلی ہوئیں تاریکیوں کو روشنیوں سے جگمگادے ، معاشرے میں امن وامان کی فضاء قائم کر دے ، گھر گھر تعلیم کی شمعیں جلا دے ۔ قیام پاکستان سے اب تک جتنا ظلم ہم نے اپنے آپ پر اور اس ملک پر کیا وہ لکھنے کے قابل ہے نہ بیان کرنے کے ۔ لاکھوں مسلمانوں کے خون سے آبیاری پانے والے اس وطن نے جتنے ہونہار ، عقلمند اور باصلاحیت افراد پیدا کیے آج پوری دنیا ان پر رشک کرتی ہے ، ڈاکٹر عبدالقدیر جیسے محسن پاکستان ہوں یا ڈاکٹر ثمر مبارک مند جیسے محنتی اور مخلص سائنسدان ، ان کے کارنامے پوری دنیا کے لیے کسی اچنبھے سے کم نہیں ہیں ۔ ارفع کریم سے شافع تھوبانی تک ملک کا نام روشن کرنے والے ہزاروں ستارے ہیں جن کے کارنامے پاکستان کے لیے باعث فخر اور قابل اعزاز ہیں ۔

میں پیدا ہونے والے ارفع کریم رندھاوا نے اپنی مختصر زندگی میں جو عظیم 1995 کارنامے سرانجام دیے تاریخ میں اب تک کسی نے نہیں دیے۔ دنیا کی کم عمر ترین آئی ٹی سپیشلسٹ کا اعزاز پانے والی دختر پاکستان خوبصورت شاعرہ بھی تھیں اور بااعتماد بااخلاق انسان بھی تھیں۔ عظمت علی رحمانی کی کتاب دختر پاکستان بتلاتی ہے کہ ارفع کریم پاکستان کا ایک تابناک اور درخشندہ ستارہ تھیں۔ بے پناہ صلاحیتوں کی حامل ارفع نے پوری دنیا میں پاکستان کا نام روشن کیا۔ ارفع کی رفعتوں کا سفر جاری ساری تھا کہ فرستادہ اجل پیغام اجل لے کر آ پہنچا اور ارفع کو عالم اسفل سے عالم ارفع کی طرف لے گیا۔ 14 جنوری 2012 کو قوم کی بیٹی 16 سال 11 ماہ بارہ دن کی عمر پا کر خالق حقیقی سے جا ملیں۔ لیکن ارفع کی موت سے یہ کارنامے اور اعزازات ختم نہیں ہوئے بلکہ تا قیامت اس سرزمین سے ایسے ستارے ابھرتے رہیں گے جو پاکستان کا علم دنیا میں بلند کریں گے (انشاءاللہ)۔ کیونکہ اقبالؒ نے کہا تھا :

نہیں ناامید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

وطن عزیز دنیا کے مختلف میدانوں میں اب تک اپنی خداداد صلاحیتوں کا لوہا منوا چکا ہے۔ ایک سروے کے مطابق پاکستان دنیا کی چوتھی ذہین ترین قوم ہے۔ یہی

وجہ ہے وقتاً فوقتاً اس ذہانت کا اظہار ہوتا رہتا ہے، کبھی ارفع کریم اور آسیہ عارف کی صورت میں تو کبھی شافع تھوبانی کی صورت میں۔ 8 سالہ شافع تھوبانی نے جو کارنامہ سرانجام دیا اب تک سائنس و ٹیکنالوجی کے شہسوار بھی سرانجام نہیں دے پائے۔ 13 مارچ 2004ء میں پیدا ہونے والے شافع تھوبانی نے 8 سال کی عمر میں مائیکروسافٹ سرٹیفائیڈ پروفیشنل بننے کا اعزاز حاصل کیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ 2004 میں ہی ارفع کریم نے دنیا کی کم عمر ترین آئی ٹی سپیشلسٹ بننے کا اعزاز حاصل کیا تھا۔ شافع کے والد کہتے ہیں کہ " شافع شروع سے ذہین، محنتی تھا اور کمپیوٹر میں غیر معمولی دلچسپی رکھتا تھا۔ اسی محنت کی بدولت شافع نے 19 اپریل 2012 میں مائیکروسافٹ کے امتحان میں " شرکت کی اور 91 فیصد نمبر لے کر مائیکروسافٹ سپیشلسٹ بن گیا۔ شافع تھوبانی کہتا ہے کہ مجھے اپنے کام پر فخر ہے اور میں پاکستان کی ترقی کے لیے اپنی صلاحیتیں بروئے کار لاؤں گا۔ آٹھ سالہ شافع کا یہ کارنامہ ہونہار اور باصلاحیت افراد کے لیے ایک پیغام ہے کہ دنیا میں مشکل سے مشکل کام محنت اور بلند ہمتی کی بدولت سرانجام دیا جاسکتا ہے۔

ارفع کریم اور شافع تھوبانی جیسے ہزاروں باصلاحیت پھول ہیں جو خداداد صلاحیتوں کے مالک ہیں اور ملک کے لیے کچھ کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں، لیکن کوئی مخلص۔ انصاف پسند علم دوست مسیحا نہیں جو ارفع اور تھوبانی جیسے،

موتیوں کو چن چن کر ایک لڑی میں پرو دے۔ارفع کریم کی وفات پر وزیر اعلی پنجاب نے کند ھا دیا، وزیر اعظم نے گھر جا کر تعزیت کی ،ڈاک نے یادگاری ٹکٹ جاری کیا اور حکمرنوں نے ٹیکنالوجی یونیورسٹی بنانے کا اعلان کیا۔مگر ابھی تک سوائے یادگاری ٹکٹ کے کوئی منصوبہ شروع نہیں ہوا۔ منصوبے کیسے شروع ہوں؟منصب پر فائز لوگوں کو اپنے منصوبوں سے فرصت تو ملے۔ افسوس ہم اپنے قومی ہیروکے ساتھ بھی منافقت کرتے ہیں ،یہی وجہ ہے مختار مسعود نے اپنی کتاب میں لکھا کہ "بڑے آدمی انعام کے طور پر دیے جاتے ہیں اور سزا کے طور پر روک لیے جاتے ہیں"۔اگر حکمران صحیح معنوں میں ان جواہرات کی قدر کرنا شروع کر دیں تو اسلاف کی کھوئی ہوئی میراث واپس لا سکتے ہیں اور غرناطہ اور ہسپانیہ کی بہاریں لوٹ سکتی ہیں ۔بس بات درد اور اخلاص کی ہے۔

پاکستان مسائل کا شکار کیوں ہے؟

پاکستان آئے روز نت نئے مسائل کا شکار ہو رہا ہے، سیاسی بحران ہو یا معاشی عدم استحکام، مہنگائی ہو یا بیروزگاری، لوڈ شیڈنگ ہو یا ظلم و جبر کی المناک داستانیں ہزارو ں ایسے مسائل ہیں جن میں پاکستان گھرا ہوا ہے۔ان مسائل کے حل کے لیے حکمران سنجیدہ ہیں نہ عوام کو دلچسپی ہے۔خود غرضی اور مفاد پرستی کی آگ نے ہر کسی کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔حالت یہ ہو گئی ہے کہ قریب والے ہمسائے کی خبر نہیں ہوتی ۔ مغرب کا اثر اس قدر رچ بس گیا ہے کہ اپنا کلچر اور اپنی شناخت تک بھول گئے ہیں ،بچے ہوں یا نوجوان مرد ہوں یا عورت ہر عمر اور ہر مزاج والا شخص مغرب سے متاثر ہے۔منافقت اور دوغلے پن کی حد دیکھئے غلط اور بیہودہ قسم کی معاشرتی برائیوں میں تو مغرب کی پیروی کی جاتی ہے لیکن جو باتیں جو کام لائق اتباع اور سبق آموز ہیں ان سے گریز کیا جاتا ہے۔موسیقی بے راہ روی، فحاشی عریانی میں اتباع کو اپنے لیے باعث فخر سمجھا جاتا ہے لیکن صفائی ستھرائی، وقت کی پابندی، کام میں دل لگی اور محنت سے گریز کیا جاتا ہے۔کرپشن، خیانت، دھوکہ دہی جیسی ہزاروں ایسی برائیاں ہیں جن کا یورپی ممالک میں تصور تک نہیں ہے لیکن ہمارے دامن ان سے داغدار ہیں۔یہی دوہرا معیار ہے جس کے باعث پاکستان ان کٹھن حالات کا شکار ہے۔

مغرب کی ترقی کا راز اسلامی اصولوں کو اپنانے میں ہے ۔آج مغرب ہمارے نبی کریم ﷺ کے بتلائے ہوئے طریقوں پر چل کر دنیا کی امامت کر رہا ہے اور ہم باوجود مسلمان ہونے کے اسلامی اصولوں سے روگردانی کرتے ہیں جس کی وجہ سے ذلت اور پستی کا شکار ہیں ۔ایک معتبر صاحب نے بتایا کہ مجھے اتنی تکلیف کبھی نہیں ہوئی جتنی برطانیہ کے سفر کے دوران ہوئی ،وہ صاحب کہتے ہیں کہ میں نے پورے برطانیہ کو دیکھا ہر جگہ صفائی کا دلکش انتظام تھا لیکن جب میں مسلمانوں کے علاقے میں گیا تو وہاں کی حالت دیکھ کر جو صدمہ ہوا وہ ناقابل بیان ہے۔افسوس جو کام ہمیں کرنے چاہییں وہ ہم نہیں کر رہے ۔غیر مسلم ہمارے اصولوں کو اپنا کر دنیا میں ترقی کر رہے ہیں ہیں اور ہم غیروں کی تقلید کرنے پر ڈھٹائی سے فخر کرتے ہیں۔پاکستان میں حکمرانوں کی پشت پناہی کے باعث معاشرے میں اسلامی قوانین اور اخلاقیات کی دھجیاں اڑائی جارہی ہیں ۔آئے دن اسلام مخالف پروپیگنڈے کیے جاتے ہیں لیکن کوئی نہیں جو ان کے سامنے بند باندھے۔گزشتہ ہفتے امریکی سفارتکار کی رہائش گاہ پر ہم جنس پرستی کی مذموم حرکت کی گئی اور 3 ہزار کا ٹکٹ لے کر کئی ہم جنس پرستوں نے اس بے حیائی میں شرکت کی لیکن کسی نے اس کے خلاف احتجاج کیا نہ مذمتی بیان جاری کیا۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب امریکہ کے نمک خور بھی اپنے "آقا" کے نقش قدم پر چلنے کی تیاریاں کر رہے ہیں ۔ 16 جولائی کو اسلام آباد میں ایک نجی سکول

یہاں ہم جنس پرستی پر بحث ومباحثے کا مذموم پروگرام کر رہے ہیں جس کی پشت پناہی بااثر سیاسی لیڈر کی بیوی کر رہی ہیں۔کیا یہ سراسر اسلام کی توہین نہیں ہے؟اس جیسی مذموم حرکتیں تو حیوان بھی نہیں کرتے یہ تو پھر بھی انسان ہیں۔

ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ ہم اسلامی مملکت کے باسی ہیں،اسلام کے دعوے دار ہیں،اور اسلام کا مذاق ہمارے سامنے اڑایا جارہا ہے۔اس وقت جتنے مسائل میں پاکستان گھرا ہوا ہے ان کی وجہ صرف اور صرف اسلام سے دوری ہے،کونسا ایسا شعبہ ہے جس میں اسلام یتیم نہیں ہے۔جہاں دیکھو اسلام ہی لٹ رہا،حکومتی اداروں سے لے کر نجی محکموں تک ہر جگہ اسلام کی سر عام توہین کی جاتی ہے۔اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو زندگی کے ہر موڑ پر رہنمائی کرتا ہے،اسلام تو ایک چراغ ہے جس سے اس جہاں نے روشنی پائی۔گھروں میں لڑائی جھگڑے،بدامنی،بے سکونی،پریشانی اور اس جیسے ہزاروں مسائل ہیں جو اسلامی تعلیمات پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہیں۔ہمارا فرض بنتا ہے کہ نام نہاد لیڈروں کو ان حرکتوں سے باز رکھیں،اسلامی اقدار کا تحفظ کریں۔غیروں کی اتباع کی بجائے شریعت کی پیروی کریں اور اپنی نوجوان نسل کو غیروں کو غلام نہ بنائیں۔اگر آج بھی ہم اسلام کی قدر کرنا شروع دیں اور اپنی زندگیاں صحیح معنوں میں اسلام کے مطابق ڈھال لیں تو تمام مسائل ختم ہو جائیں گے،پاکستان خوشحالی

اور ترقی کی راہ پر گامزن ہو جائے گا۔ معاشرے میں امن وامان کی فضاء قائم ہو جائے گی

۔

زندگی کیسے پر سکون بنائی جائے؟

راحت ، عزت ، دولت اور شہرت کی تمنا انسانی فطرت میں داخل ہے ۔ ہر شخص چاہتا ہے کہ زندگی کی چند ساعتیں پر سکون انداز میں گزارے ۔ اس زندگی کو پر سکون بنانے کے لیے انسان کئی جتن اٹھاتا ہے ، مصائب جھیلتا ہے ، مشقتیں بر داشت کرتا ہے لیکن نظام قدرت ہے کہ دنیا میں انسانی خواہشات کبھی پوری نہیں ہو سکتیں ، کیونکہ دنیا دارالامتحان اور دارالمصائب ہے ۔ دنیا کے امتحان میں وہ بندہ کامیاب ہو جاتا ہے جو اسلام پر چلے ، شریعت مطہرہ کو راہبر وراہ نما سمجھے اور نبی آخرالزمان ﷺ کی سیر ت کو اپنائے کیونکہ اسلام ایک ایسامذہب ہے جو زندگی کو پر سکون بنانے کے لیے ہر موڑ پر ساتھ دیتاہے ، معاشرت ہو یا معیشت ، والدین کے حقوق ہوں یا بیوی بچوں کے حقوق تمام مراحل پر اسلام انسان کی راہنمائی کرتاہے ۔ یہ حقیقت ہے جو اسلام کے سایہ تلے آگیا وہ اپنی زندگی کو کامیاب اور پر سکون بنا گیا۔ عصر حاضر میں انسان جس کیفیت سے دو چار ہے اس سے پہلے کبھی نہیں تھا ۔ ہر شخص راحت ، سکون کو ترس رہا ہے ، پر امن معاشرہ ایک خواب بن کر رہ گیا ہے ۔ ناامیدی کے بادل ہر چہرے پر چھائے ہوئے ہیں ۔ اخلاقیات کا جنازہ نکل رہا ہے ، انسانیت کی توہین کی جارہی ہے ۔ بے حیائی کے کلچر کو اتنا عام کر دیا گیا ہے کہ معاشرے میں زندگی گزارنا مشکل ہو گیا ہے ۔ سر عام دین اسلام کا مذاق اڑایا

جارہاہے۔بے دینی اوراللہ سے بغاوت کے اس سیلاب میں ایک معصوم مسلمان بھی بہے جارہاہے۔ایک عام آدمی یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ ان حالات میں کیا کیا جائے ؟اس سیلاب کے آگے کیسے بند ھ باندھا جائے ؟اللہ کی ناراضگی کو کیسے ختم کیا جائے ؟بہت کم لوگ ہیں جو ان برائیوں کے کو جڑ سے اکھاڑنے کے لیے سنجیدہ ہیں اور اس سیلاب کو روکنے کے لیے مزاحمتی جدوجہد کررہے ہیں۔

غور کیا جائے تو بے سکونی ،پریشانی اور یکے بعد دیگرے پریشان کن مسائل کے جنم لینے کی وجہ دین سے دوری اور قرآن واحادیث سے روگردانی ہے۔شریعت سے خیانت اور بے مروتی بھی ایک بڑی وجہ ہے۔افسوس کی بات ہے کہ ہم مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں مگر اسلامی احکام سے پہلوتہی ہمارا شیوہ بن چکا ہے۔تمام بنیادی ارکان کلمہ، نماز، روزہ، حج ،زکوۃ سے ہم غافل ہوگئے ہیں۔کتنے لوگ ہیں جو نماز نہیں پڑھتے ؟نا پڑھنے والوں کی تعداد پڑھنے والوں کی بنسبت زیادہ ہے۔یہی حال باقی ارکان کا ہے ۔ماہِ مقدس کی آمد کا تقاضاتو یہ تھا کہ ہم اس کا استقبال اور قدر کرتے ۔استقبال کا یہ مطلب نہیں کہ گھروں میں مسجدوں میں چراغاں کیے جائیں بلکہ اس مہمان کی خوب آؤ بھگت کرتے ،اس کے لوازمات اور معمولات کا خیال رکھتے ،تمام ناپسندیدہ چیزوں سے اس کو بچاتے ،جس قدر ہوسکتا ہم پہلے کی بنسبت اس مبارک مہینے میں عبادات کرتے ۔زکوۃ و صدقات کی ریل پیل ہوتی ،تمام گناہوں سے توبہ تائب ہوتے ،ناجائز معاملا ت کو ترک کرتے

لیکن مخصوص طبقہ ہے جو ان سب باتوں کا اہتمام کرتا ہے۔ ورنہ آج بھی ایسے لوگ، موجود ہیں جو صدقات و زکوۃ سے کتراتے ہیں اور سودی معاملات کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے دل مردہ ہوگئے ہیں۔ نا ختم ہونے والے مسائل جنم لے رہے ہیں، بے دینی اور اللہ سے بغاوت بڑھ رہی ہے۔ حضرت مولنا احمد علی لاہوریؒ فرماتے تھے کہ " میں نے بصیرت اور تجربے سے دیکھا اور غور کیا کہ لوگوں کی بے دینی اور اللہ سے بغاوت کے اسباب کیا ہیں ؟ تو میں نے اسی فیصد قابل عیب بات یہ پائی کہ لوگ سودی مال سے نہیں بچتے، حلال وحرام کی تمییز نہیں کرتے اور دس فیصد سبب یہ ہے کہ بے نمازی کے ہاتھ کا کھاتے ہیں اور دس فیصد سبب یہ ہے کہ نیک لوگوں کی صحبت میں نہیں بیٹھتے، اللہ والوں سے تعلق قائم نہیں کرتے " ۔

سود ایک ایسی لعنت اور متعدی مرض ہے جو پورے جسم کو سرانڈ کر دیتی ہے معاشرے کے معاشرے تباہ جاتے ہیں، راحت اور عزت غارت ہوجاتی ہے۔ سب سے بڑھ کر اللہ اور رسول کے خلاف اعلان بغاوت کی ہمت ہوجاتی ہے جو دین سے دوری کا سبب بنتا ہے۔ قرآن وحدیث میں اس کی صراحۃ ممنوعیت آئی ہے۔ ارشاد ہے احل البیع وحرم الربو (اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے) دوسری جگہ فرمایا" یاایہاالذین آمنوا تقواللہ وذروا مابقے من الربو" (اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سود سے جو باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو۔۔۔۔۔۔اگر تم ایسا

نہیں کروگے تو اللہ اور رسول کے ساتھ اعلان جنگ کے لیے تیار ہوجاؤ) یہ بہت بڑی وعید ہے سود خوروں کے لیے۔اسی طرح اللہ فرماتے ہیں یمحق اللہ الربو ویربی الصدقات (اللہ سود کو مٹاتے ہیں اور صدقات وخیرات کو بڑھاتے ہیں) مطلب یہ ہے کہ سود خورکامال آخرت میں کچھ کام نہ آئے گابلکہ اس پر وبال جان بن جائے گااور صدقہ ، خیرات والوں کا مال آخرت میں ابدی نعمتوں اور راحتوں کا ذریعہ بنے گا۔سود کے اثرات آخرت کے اعتبار سے تو نقصان دہ ہیں ہی مگر کچھ آثار دنیاوی اعتبار سے بھی قابل عبرت ہیں ۔سود جس مال میں شامل ہوجاتاہے بسااوقات وہ مال خودہلاک ہوجاتاہے اور پچھلے مال کو بھی ساتھ لے جاتاہے ۔سود اور سٹے کے بازاروں میں اس کا مشاہدہ آئے روز ہوتارہتاہے ۔بڑے بڑے کروڑ پتی دیکھتے ہی دیکھتے دیوالیہ اور فقیر بن جاتے ہیں ۔ تجربہ سے ثابت ہے کہ سود کامال فوری طور پر کتنا ہی بڑھ جائے مگر عموما وہ پائیدار اور باقی نہیں رہتا۔اگر ظاہری طور پر مال ضائع نہ بھی ہو تو اس کے فوائد وبرکات سے محرومی تو یقینی ہے ۔

ظاہر کی آنکھ سے دیکھا جائے تو قرآن کا یہ فلسفہ سمجھ نہیں آتا لیکن حقیقت یہی ہے جو قرآن نے بیان کی ۔ظاہر میں یہ نظر آتاہے کہ سودخوروں کو عزت وراحت حاصل ہے کوٹھیوں ، بنگلوں کے مالک ہیں ، عیش وآرام کے سارے سامان مہیا ہیں ، کھانے پینے، اور رہنے سہنے کی ضروریات بلکہ فضولیات بھی حاصل ہیں ، نوکر

چاکر اور شان و شوکت کے تمام سامان موجود ہیں لیکن غور کیا جائے تو ہر شخص سمجھ لے گا کہ سامانِ راحت اور راحت میں بڑا فرق ہے۔ سامان راحت تو فیکٹریوں، کارخانوں میں بنتا ہے اور بازاروں میں بکتا ہے، وہ سونے چاندی کے عوض حاصل ہو سکتا ہے لیکن جس کا نام راحت ہے وہ نہ کسی فیکٹری میں بنتی ہے نہ کسی منڈی میں بکتی ہے وہ تو ایک ایسی رحمت ہے جو براہ راست حق تعالیٰ کی طرف سے دی جاتی ہے۔ وہ بعض اوقات ہزاوں سامان کے باوجود حاصل نہیں ہو سکتی۔ ایک نیند کی راحت کو دیکھ لیجیے! اس کو حاصل کرنے کے لیے یہ تو کر سکتے ہیں کہ سونے کے لیے مکان بہتر ہو، ہوا اور روشنی کا نظام معتدل ہو، چارپائی اور گدے حسبِ منشاء ہوں لیکن کیا نیند کا آنا ان سامانوں کے مہیا ہونے پر لازمی ہے؟ ہزاروں انسان اس کا جواب نفی میں دیں گے۔ امریکہ جیسے متمدن ملک میں 75 فیصد لوگ خواب آور گولیوں کے بغیر سو نہیں سکتے۔ ان حالات کا جائزہ لینے کے بعد یہ بات واضح ہو گئی کہ سود خوروں کے پاس سامان راحت ہے مگر راحت نہیں، عزت کے حصول کے لیے مال و دولت کے انبار ہیں لیکن عزت نہیں ہے۔ چونکہ یہ لوگ سخت دل اور بے رحم ہوتے ہیں، ان کا پیشہ مفلسوں کی مفلسی سے فائدہ اٹھانا اور ان کا خون چوسنا ہوتا ہے اس لیے ممکن نہیں کہ لوگوں کے دلوں میں ان کی عزت اور وقار ہو۔

اس کے باالمقابل صدقہ و خیرات کرنے والوں کو راحت بھی حاصل ہے اور عزت بھی

ان کے پاس اگر چہ سامانِ راحت کم ہی کیوں نہ ہو لیکن سامان والوں سے زیادہ، اطمینان اور سکون قلب جو اصلی راحت ہے ان کو حاصل ہے، دنیا میں ہر انسان انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ صدقہ خیرات کرنے والوں کا مال بڑھتا ہے اگر چہ ہمیں بڑھتا ہوا نظر نہیں آتا، کیونکہ اللہ فرماتے ہیں "ہم صدقات کو بڑھاتے ہیں"۔ اس قضیہ کو ایک مثال کے ذریعہ باآسانی سمجھا جاسکتا ہے، جیسے ایک کسان جب زمین میں ایک دانہ ڈالتا ہے تو ظاہری آنکھ سے یہ نظر آتا ہے کہ وہ اس دانہ کو ضائع کر رہا ہے لیکن اللہ اس دانہ کی حفاظت فرماتے ہیں اور ایک دانہ سے ہزاروں دانے پیدا کردیتے ہیں۔ اسی طرح جب انسان اللہ کی راہ میں ایک روپیہ خرچ کرتا ہے تو ظاہری طور پر اس کا نقصان ہوتا ہوا نظر آتا ہے مگر اللہ اس ایک روپے سے ہزاروں روپے بنادیتے ہیں۔ اسی حقیقت کو حدیث پاک میں بھی بیان کیا گیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ " :جب ایمان والا اللہ کی راہ میں ایک کھجور خرچ کرتا ہے تو اس کا ثواب احد پہاڑ کے برابر ملتا ہے"۔ معلوم ہوا صدقہ سے مال بڑھتا ہے۔

اگر ہم بھی راحت وسکون اور عزت سے زندگی گزارنا چاہتے ہیں، پر امن اور خوشحال معاشرہ دیکھنا چاہتے ہیں، دنیا میں امن و سلامتی کا عَلم بلند کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں ضرور قرآن و حدیث کو عملی طور پر اپنی زندگیوں میں لانا ہوگا، گناہوں سے توبہ تائب ہونا ہوگا، ناجائز معاملات کا بائیکاٹ

کرنا ہوگا۔آج امت مسلمہ جن آفات کا شکار ہے اس کی وجہ صرف اور صرف قرانی احکامات سے روگردانی ہے۔شریعت مطہرہ پر عمل پیرا ہونا وقت کی ضرورت ہے۔بے دینی اوراللہ سے بغاوت کے اسباب کی روک تھام کے لیے ہم میں سے ہرفرد کو اس کے خلاف علم جہاد اٹھانا ہوگا۔سود جیسی متعدی مرض کے علاج کے لیے امت مسلمہ کو عموما اورچیف جسٹس آف پاکستان کو خصوصا عملی اقدامات کرنے ہوں گے۔چیف جسٹس جہاں دیگر مقدمات کا ازخود نوٹس لیتے ہیں وہیں اللہ کے حضور سرخروئی کے لیے اس ناسور کو جڑ سے اکھاڑنے کے لیے تاریخی فیصلہ دینا ہوگا۔پاکستان میں ہزاروں دردمند، اسلام پسند ہیں جنہوں نے اس متعدی مرض کے علاج کے لیے عدالت عالیہ کا دروازہ کھٹکھٹایا لیکن کسی فورم پر بھی ان کی شنوائی نہیں ہوئی۔اگر کبھی سنا گیا تو محض وقتی جج پینل تشکیل دے کر عوام کے غم وغصہ کو ٹھنڈا کردیا گیا یا پھر اس پینل کے امانت دار ججوں کو برطرف کردیا گیا۔اب بھی وقت ہے کہ عدلیہ اور مقننہ اس مسئلہ کو سنجیدگی سے حل کرے اوراس کے لیے باقاعدہ قانون مرتب کرے اوراس پر عمل کروائے، اس فعل میں ملوث لوگوں کی سرزنش کرے۔حکومت کو چاہیے! کہ من چاہے قوانین رائج کرنے کی بجائے اسلامی قوانین کے نفاذ کے لیے عدلیہ سے تعاون کرے، عدلیہ سے محاذآرائی "ختم کرکے اپنا امیج بحال کرے اور قوم کو پرسکون زندگی گزارنے کے لیے" پرامن معاشرہ دے۔

علم دوست "حکمران" اور ہماری حالتِ زار

دنیا کی چکا چوند کر نیں ، چمکتی دمکتی چیزیں ، راحتوں آسائشوں سے مزین خوبصورت معاشرے ، سائنس و ٹیکنالوجی کے حیران کرنے والے نت نئے کرشمے ، بلند و بالا دیدہ زیب عمارتیں ، آسمانوں پر کمندیں ڈالنے والے اور انسانیت کی خدمت کرنے والے یہ شاہین یونہی نہیں بنے بلکہ اس کے لیے صدیوں آگ کی بھٹی میں جلنا پڑا ، طرح طرح کی آزمائشیں جھیلنا پڑیں ، علمی تشنگی دور کرنے کے لیے دربدر کی ٹھوکریں کھانا پڑیں پھر جا کر آج کی رنگارنگ اور تیز دنیا وجود میں آئی۔ دنیا میں جتنے قومیں ترقی یافتہ بنیں اور جتنے لوگ عظیم کارنامے سرانجام دے کر سرخرو ہوئے ان کی ترقی اور کامیابی کا راز محنت اور علم دوستی میں مضمر ہے۔ یہ دونوں ایسے ہتھیار ہیں جن کے بغیر انسان نامکمل نظر آتا ہے۔

محنت اور علم کی اہمیت کسی سے مخفی نہیں ، یہ ایک ایسی دولت ہے جسے پانے کے لیے غریب بھی جدوجہد کرتا ہے اور امیر بھی سر دھڑ کی بازی لگاتا ہے ، مسلمان بھی اپنی پیاس بجھانے کے لیے اس بحرِ بیکراں میں غوطہ زنی کرتا ہے اور کافر بھی جواہرات ڈھونڈنے کے لیے دن رات ایک کرتا ہے۔ علم ایک ایسا فن ہے جو زندگی بھر انسان کا ساتھ دیتا ہے ، مشکل میں کام آتا ہے اور انسانیت کی تعمیر

کرتا ہے۔ پرامن، خوبصورت معاشرے کی بنیاد اسی سے پڑتی ہے اور جہاں سے ظلمتوں اور تاریکیوں کے بادل بھی اسی سی چھٹتے ہیں۔ دنیا کی امامت اور کائنات کی تسخیر علم کے بغیر ناممکن ہے یہی وجہ ہے علم کے بغیر انسان انسان نہیں رہتا بلکہ وہ کالانعام شمار ہوتا ہے۔ جن قوموں کا اوڑھنا بچھونا علم ہے وہ آج زمانے کی زمام اقتدار سنبھالے ہوئے ہیں۔ ایک چائنا ہی کی مثال دیکھ لیں! آپ کو دنیا کے ہر کونے، ہر ملک، ہر شہر ہر محلے اور ہر دوکان پر" میڈان چائنا "سے کنندہ پروڈکٹ ضرور ملیں گیں۔ اعلی سے، اعلی اور گھٹیا سے گھٹیا، معیاری اور غیر معیاری، اسلامی غیر اسلامی ہر طرح کی چیزیں چین پیدا کر رہا ہے۔ مسلمان ہوں یا عیسائی، یہودی ہوں یا ہندوں ہر مذہب اور ہر رنگ کے لوگ ان اشیاء میں چین کے غلام ہیں، دنیا کے امیر ترین ممالک اور امریکہ جیسے نام نہاد" سپر پاور" اپنی آزادی جیسے اہم دن کے موقع پر جشن منانے کے لیے آتشبازی کا سامان چین سے منگواتے ہیں۔ مختصر عرصہ میں بلکہ یوں کہنا باالکل بجاہے کہ راتوں رات آسمانوں پر پہنچنے والے اس ملک نے اتنی بڑی کامیابی" علم "کے ذریعہ حاصل کی یہی وجہ ہے چین کا شمار دنیا کی پڑھی لکھی قوموں میں ہوتا ہے۔ محنت اور علم دوستی کی، بدولت چینی قوم مستقبل میں دنیا کے بڑے بڑے فرعونوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کردی گی۔

دنیا کے اکثر ممالک تعلیم پر خصوصی توجہ دیتے ہیں، بہتر سے بہتر سہولیات

مہیا کرتے ہیں ، دنیا میں دو شعبے ایسے ہیں جن پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے اور بجٹ کا وافر حصہ خرچ کیا جاتا ہے " دفاع اور تعلیم " ، اگر یہ دونوں شعبے مضبوط ہوں تو دشمن اس ملک کی طرف میلی آنکھ نکالنے کی جرات بھی نہیں کر سکتا۔ بد قسمتی سے ! ہمارے ہاں تعلیم پر خصوصی توجہ تو درکنار " توجہ " بھی نہیں دی جاتی یہی وجہ ہے 64 سال گزرنے کے باوجود بھی ہمارا تعلیمی نظام غیر معیاری ہے ، سرکاری سکولوں اور کالجز میں بھاری بھر کم تنخواہ لینے والے اساتذہ کے ہوتے ہوئے سرکاری اداروں کی کارکردگی ہر سال تشویشناک ہوتی ہے۔ اگر کبھی کسی کو خیال آ بھی جائے تو وہ تعلیم کے نام پر فضول چیزوں کی ترویج اور اغیار کی سوچ کو ملک میں نافذ کرنا چاہتا ہے ، اس کا اندازہ اسلامی نصاب کے اخراج کے معاملے اور لیپ ٹاپ سکیم سے لگایا جاسکتا ہے۔ جہاں تک رقم خرچ کرنے کا معاملہ ہے ، تو وہ اول پر شدومد کے ساتھ خرچ کی جاتی ہے لیکن ثانی پر مناسب خرچ نہیں کی جاتی اگر کچھ کی بھی جائے تو وہ کرپشن کی نظر ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے آج امیر غریب میں تضاد اور دوریاں بڑھتی جارہی ہیں ، صلاحیتیں ضائع ہو رہی ہیں بیروزگاری اور جرائم میں اضافہ ہو رہا ہے ، ملک زبوں حالی کا شکار ہے۔ لوڈشیڈنگ ، مہنگائی جیسے اذیت ناک مسائل بڑھ رہے ہیں ، نااہل اور کرپٹ لوگ اہم اور معزز عہدوں پر براجمان ہیں۔ حکومت کی ناقص تعلیمی پالیسوں کے باعث اس سال میٹرک امتحانات میں کامیاب ہونے والے 135674 امیدواروں میں سے 55674 امیدار سرکاری اداروں میں تعلیم حاصل کرنے سے محروم رہیں گے اور

پرائیوٹ اداروں کے" مہنگی چھری تلے "کٹتے رہیں گے کیونکہ سرکاری ادارے اتنے طلبہ کی کھیپ سمونے کی طاقت نہیں رکھتے، یہ تو آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑے صوبہ کا حال ہے باقی ماندہ علاقوں میں صورتحال اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ پاکستان میں جتنا ٹیلنٹ غریب طلباء کے پاس ہے اتنا صاحبِ ثروت طلباء کے پاس نہیں اس خبر سے اس کا اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے کہ کچرہ چننے والے طالبعلم نے میٹرک امتحان میں دوسری پوزیشن لی اور فیصل آباد میں سماعتوں سے محروم طالبہ نے بھی ٹاپ کیا۔ لیکن وسائل اور مسائل کے باعث ان غریب طلبہ کی صلاحیتیں ضائع ہو جاتی ہیں اور یہ ملک کے لیے کچھ کر نہیں پاتے۔

اگر آج بھی حکومت علم دوست پالیسیاں بنانے کا اہتمام کرے، سستی بس سروسسز، لیپ ٹاپ سکیموں کی بجائے سستے اور معیاری سکول، کالجز بنانا شروع کر دے۔، سرکاری اداروں میں پڑھانے والے اساتذہ کی کڑی نگرانی شروع کر دے اور ملک میں یکساں نظام تعلیم رائج کر دے تو پاکستان کی تقدیر بدل سکتی ہے، پاکستان دنیا کی امامت کر سکتا ہے، دنیا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکتا ہے، اپنی ضروریات میں خود کفیل ہو سکتا ہے لیکن۔۔۔۔۔ملک کے "معزز" لوگوں کو عدلیہ سے محاذ آرائی اور مفادات کی خاطر ایک دوسرے کو نیچا دکھانے سے "فرصت" تو ملے! ہمیں چین سے سبق سیکھنا چاہیے! جو ہم سے ایک سال بعد آزاد ہوا، لیکن مختصر عرصے میں دنیا کی مضبوط شہ رگ بن گیا۔

اِن بازیگروں سے ہوشیار رہیں

مہذب قومیں اور معاشرے وہ کہلاتے ہیں جن کا طرہ امتیاز تحمل ،برداشت ، رواداری اور اخلاقی حسن وجمال سے مزین ہو۔اقدار اور اخلاق انسانی کمالات میں سے وہ اعلیٰ ترین وصف ہیں جن کے ذریعہ کائنات کو تسخیر کیا گیا اور کیا جاسکتا ہے۔تاریخِ انسانی شاہد ہے کہ ہر شئی کو عروج وزوال اخلاقی معیار کی بلندی اور پستی سے ملا۔وہ انسان ہمیشہ سرخرو ہوئے جن کے قلوب اس قیمتی زیور سے آراستہ رہے ،وہ تحریکیں اور وہ کاروان ضرور اپنی منزل تک پہنچے جن کے دستور میں یہ وصف جلی حروف میں لکھا گیا اور وہ اس پر کاربند بھی رہے۔دنیا میں بڑے بڑے کارناموں اور تبدیلیوں کا پیش خیمہ یہی حسن اخلاق بنا،کفر و شرک کے اندھیروں نے روشنی اسی چراغ سے پائی ،وحشی اور بھیڑیے نما انسانوں کو ہمدردی اور غم خواری کا درس اس مکتب سے ملا،بے حس اور بے زبان معبودانِ باطلہ کے پجاریوں کو معبود برحق کا پرستش اسی حسن اخلاق نے بنایا،مندروں اور گرجا گروں میں میں بھٹکنے والے کروڑوں انسانوں کو راہِ حق اسی رہبر نے دکھائی ،میکدوں اور رمے خانوں میں ابلیسی جام پینے والوں کو خدائی جام اسی چشمے نے پلائے ۔الغرض اخلاق حسنہ ایک ایسی تلوار ہے جس نے کفروشرک کا سر قلم کیا،خدا کے عَلم کو تا قیامت بلند کیا،اسلام جیسی عظیم دولت کو کائنات میں عام کیا ،امیروں

اور غریبوں میں مساوات قائم کیں، اتحاد و اتفاق کی وہ مثالیں چھوڑیں جن کے نقوش تاریخ کے اوراق میں ہمیشہ چمکتے رہیں گے۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے جب تک مسلمان اس نبوی صفت سے وابستہ رہے تو دنیا کی امامت کے حقدار رہے اور بڑی بڑی طاقتیں ان کے سامنے سر نگوں رہیں، امن وامان اور محبت بھری ہوائیں چلتی رہیں، خوشحالی اور سلامتی مسلم معاشرے کی زینت بنیں، اتحاد و اتفاق کی وہ فضاء قائم ہوئی کہ جس سے کفر پر ہمیشہ خوف طاری رہتا تھا اور وہ میلی آنکھ نکالنے کی جرات تک نہیں کر سکتا تھا لیکن جب اس نعمت سے بیزار ہوئے تو حالات یکسر تبدیل ہو گئے، امامت غلامی میں بدل گئی، فتح شکست بن گئی محبت بھری ہوائیں نفرتوں میں تبدیل ہو گئیں، خوشحالی بد حالی کا شکار ہو گئی، امن وامان فسادات کی نظر ہو گیا اور اتحاد انتشار بن گیا۔ جس کی وجہ سے آج ذلت، پستی اور ظلم وجبر کے پاٹ تلے زندگی گزرانا مسلمانوں کا مقدر ٹھہر گیا ہے۔ تعجب اور حیرت کا مقام ہے! کہ وہ قوم جن سے قوموں نے آبیاری پا کر ترقی کی منازل طے کرنا سیکھیں، جن کے روشن اصولوں اور علم سے بنجر ویرانوں اور کھلیانوں میں بہاریں آئیں آج وہی قوم ماری ماری زندگی کی بھیک مانگ رہی ہے، ترقی کرنا تو کجا بنیادی حقوق سے بھی محروم ہے۔ یہ ہماری بد قسمتی نہیں تو اور کیا ہے! دنیا ہمارے اصولوں کو اپنا کر اور ہمارے ہی وسائل سے ہم پر حکمرانی کر رہی ہے اور ہم آج بھی ان کے در پر جھولی پھیلائی

ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔

بحثیت امت مسلمہ ہماری حالت اور رویہ پر دنیا تو ہنستی ہی ہے زمین وآسمان بھی یقیناً تر س کھاتے ہونگے، پاکستان جو صرف ایک خاص نظریہ اور سوچ لے کر وجود میں آیا جسے اسلامی ایٹمی طاقت ہونے کا اعزاز حاصل ہے جسے ہر وہ سہولت میسر ہے جو کسی مملکت کے زندہ رہنے کیلئے ضروری ہونی چاہییں، لیکن ان سب فطرتی خوبیوں اور صلاحیتوں کے باوجود آج جن حالات سے دوچار ہے وہ ناقابل بیاں ہیں۔ مملکت کے وہ ستون جن پر اسلامی جمہوریہ کے نام سے موسوم عمارت ایستادہ ہے باہم دست و گریباں ہیں، وہ حکمران جو پوری قوم کی راہنمائی کے لیے حلف اٹھا کر مسائل سے نجات دلانے اور پرسکون زندگی گزارنے کیلئے پرامن ماحول فراہم کرنے کے وعدے کرتے ہیں طوفانِ بدتمیزی کے سیلاب میں ڈوبنا اپنے لیے باعث اعزاز اور فخر سمجھتے ہیں، سیاست چمکانے کے لیے ہر روز نت نئے مسائل کی کھوج کرید میں اپنا قیمتی سرمایہ اور وقت توضائع کرتے ہی ہیں، تہذیب اور ثقافت کی بخیاں بھی اڑاتے ہیں۔ کبھی ذاتیات پر مناظرے کی مجالس سجانے کی دعوتیں دی جاتی ہیں تو کبھی فلاحی کاموں کو نشان عبرت بنانے کے لیے مباھلے کے میدان سجانے میں سر دھڑ کی بازی لگائی جاتی ہیں۔ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے قوم کے" معزز افراد" بھی اس آلودگی میں اپنا دامن تر کرنے کی بھونڈی کوششیں کر رہے ہیں، کیا صدر، کیا وزیر، کیا مشیر، کیا مخدوم کیا پختون

کیاچوہدری اور کیا خواجے سبھی اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھو کر اپنا اپنا "حق "ادا کر رہے ہیں ۔سیاسی دکاندار اپنی دوکانداری کی خاطر نہ سوچتے ہیں اور نہ تولتے ہیں بس بولتے ہیں اور بولتے ہیں۔ سیاسی بازیگروں کی تلوار سے تیز زبانوں کے نشتر نہ صرف مخالفین کے قلب شق کرتے ہیں بلکہ اس قوم کی امیدوں کے آخری ٹمٹماتے چراغوں تک کو گھائل کرتے ہیں، ان کے تیروں سے منصف محفوظ ہیں نہ انصاف چاہنے والے ، مسجدیں محفوظ ہیں نہ مدرسے ،ہر جگہ راج ہے تو صرف ان" بارعب اور شیر دل "بہادر دکانداروں کا۔

المیہ ہے ہمارا! کہ ہم ان بازیگروں کی چالوں سے واقف بھی ہیں مگر خود بچتے ہیں نہ معصوم اور بھولی قوم کو بچاتے ہیں ۔نتیجتہً یہ سیاسی دوکاندار مسلسل ہماری قسمتوں کے سودے کرکے اپنے بلند و بالا محلات تعمیر کر رہے ہیں ۔ہم باوجود ان کی شہ رگ ہونے کے الگ سے تڑپ رہے ہیں اور وہ پھر بھی اپنی زندگی کی بہاروں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ان بازی گروں کی بے مروتی اور لاتعلقی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ عوام دو وقت کی روٹی، بجلی پانی اور بنیادی اشیاء ضروریہ کو ترس رہی ہے اور عوام کے یہ " خیر خواہ ، ہمدرد "اپنے مخالف دوکانداروں کو مات دینے کے لیے اسلام ، تہذیب ثقافت اور وراثت کی وہ دھجیاں اڑا رہے ہیں جسے دیکھ کر فلک بھی نوحہ کناں ہے۔ اگر، ہم نے اپنی آزادی کی لاج رکھنی ہے اور اسلاف کے خون سے آبیاری پانے والے اس چمن کو زندہ رکھنا ہے تو

ضرور ہمیں ان کا احتساب کرنا ہوگااور مسلسل دھوکے کھانے سے گریز کرنا ہوگا،غفلت اور لاپرواہی کے کلچر کے ناسور کو جڑ سے اکھیڑنا ہوگا، کیونکہ پاک پیغمبر ﷺ کا ارشاد ہے کہ "مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈساجاتا"اور ہم تو کئی بار ڈسے جاچکے ہیں ۔اب بوقت ہے کہ ہم جاگ جائیں اور پیارے آقا ﷺ کے اس فرمان مبارک پر عملاًکاربند ہوجائیں ! ورنہ ایک دن یہ ڈنگ لاعلاج ہوجائیں گے اور دنیامیں ہمارا نام ونشان تک نہیں رہے گا۔خدارا!اِن بازیگروں سے ہوشیار رہیں !!!

قوم کا" سرمایہ" محفوظ رکھیں

19 سالہ محمد وسیم نے ایک قصبہ کے متوسط گھرانے میں آنکھ کھولی ، وہ آٹھ سال کا تھا کہ باپ کے سایہ سے محروم ہوگیا۔ محمد وسیم بچپن سے نہایت شریف ، ذہین اور لائق تھا، سکول میں وقت پر جانا اور پھر وقت پر گھر آنا اس کا معمول تھا۔ آٹھویں جماعت تک وہ سکول میں اپنی صلاحیتوں کے جوہر منواتا رہا، عمدہ خوبیوں اور اچھے اخلاق کی بدولت اساتذہ اور طلباء نہ صرف اس سے محبت کرتے بلکہ اس کی تعظیم بھی کرتے تھے۔ لیکن ۔۔۔ ! پھر آہستہ آہستہ غلط طلباء کے ساتھ اس کا اٹھنا بیٹھنا معمول بن گیا۔ وقت پر گھر آنا ، سکول جانا، پڑھائی میں دلچسپی لینا اور اس کی وہ معصومانہ عادات جن کی بنا پر وہ ہر ایک کی نظر میں قابل تعظیم تھا دھیرے دھیرے سب ختم ہوتی گئیں، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ میٹرک کے امتحان میں دو کتابوں سے رہ گیا۔ بہر حال میٹرک کا امتحان تو اس نے کلیئر کر ہی لیا لیکن مزید تعلیم جاری نہ رکھ سکا۔ اس کے گھر والوں نے اسے ایک ڈاکٹر کے پاس چھوڑ دیا تاکہ کچھ نہ کچھ ہنر سیکھ لے اور اپنی زندگی سنوار لے لیکن بجائے سنورنے کی اس کی زندگی مزید بگڑ گئی ۔ تقریبا تین سال تک وہ ایک ڈاکٹر کے پا س کام کرتا رہا، پھر اس نے ایک میڈیکل سٹور پر کام کرنا شروع کر دیا وہاں بھی دو سال تک کام کیا، ان پانچ سالوں میں جتنے پیسے اس نے کمائے خود ہی خرچ کئے، گھر والوں کو اپنی تنخواہ سے ایک روپیہ

تک نہیں دیا بلکہ گھر سے ہر مہینہ اسے " الاؤنس "ملتا رہا۔ گھر والوں کی "دور اندیشی دیکھئے کہ کبھی اس سے یہ پوچھنا گوارا نہ کیا کہ وہ اتنے سارے پیسے کہاں خرچ کرتا ہے" ؟۔اسی دوران وہ ایک مہلک اور جان لیوا عادت کا شکار ہوگیا، نشے جیسے ناسور کا گرویدہ ہوگیا۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ نشہ اس کی خوراک بن گیا، لیکن گھر والوں نے کبھی اس طرف دھیان نہ دیا۔ پھر ایک دن ایسا آیا کہ بھرے چوک میں وہ نشے میں دھت کھڑا نشے کے کرتب دکھا رہا تھا اور کچھ لوگ اس کی حالت پر رحم کھا رہے تھے اور کچھ اس کی حرکتوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے ، تب جا کر گھر والوں کو محمد وسیم کا خیال آیا، لیکن تب تک بہت دیر ہو چکی تھی ۔ اب ماسوائے پچھتانے کے اور کچھ نہ تھا۔ سچ کہا کسی نے "جب چڑیاں چگ جائیں کھیت تو پچھتانے کا کیا فائدہ"؟

محمد وسیم جیسے سینکڑوں نوجوان ہیں جو فطرتی صلاحیتوں اور عمدہ خوبیوں کے مالک ہیں جو ملک کے لیے سب کچھ کر سکتے ہیں مگر ان جواہر سے آراستہ ہونے کے باوجود بھی، نشے جیسی بری اور جان لیوا عادات کا شکار ہو جاتے ہیں ۔ سرمایہ صرف وہ نہیں جسے لوٹ کر سوئس بینکوں میں رکھا جاتا ہے جیبیں بھر بھر کر گھروں میں زندگی بھر بیٹھ کر اڑایا جاتا ہے یہ نوجوان بھی قوم کا سرمایہ ہیں ۔ سرمایہ جو بھی ہو اسے لوٹنا اور لٹوانا شرعاً تو ناجائز ہے ہی اخلاقاً اور قانوناً بھی جرم ہے۔ اس سرمایہ کو جس بے دردی سے لوٹا اور لٹوایا جا رہا ہے اس سے ہر

دردمند دل خون کے آنسو روتا ہے۔ ملک کے دیگر شعبوں میں لوٹ کھسوٹ، کرپشن اور اقرباپروری کی خاطر انتظامیہ اور مقتدر اداروں کی "ملی بھگت" سمجھ میں آتی ہے پر اس شعبہ میں انتظامیہ اور مقتدر اداروں کی پر اسرار خاموشی نا قابل فہم اور عقل سے بالاتر ہے۔ کتنے نوجوان ہیں جن کی زندگیاں ملک وملت کی خدمت کی بجائے اس مکروہ دھندے کی نظر ہو جاتی ہیں، کتنے ننھے پودے ہیں جو قدآور درخت بن کر ہر کسی کو سایہ فراہم کر سکتے ہیں لیکن ان کی جڑوں کو دیمک سے نہیں بچایا جاتا اور یہ کونپلیں نکلنے سے پہلے ہی مرجھا جاتے ہیں۔ ملک میں کتنے چشمے اور تالاب ہیں جو پوری قوم کو سیراب کر سکتے ہیں، پیاس بجھا سکتے ہیں مگر قوم کی بھاگ ڈور سنبھالنے کے دعویدار اپنے ہی ہاتھوں سے ان تالابوں کو گندا کر دیتے ہیں اور ان چشموں کو زندگی بھر کے لیے خشک کر دیتے ہیں۔

یہ بات بالکل برحق ہے کہ ماحول انسان کی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے۔ یہی ماحول ہے جو انسان کو قوم کا معمار اور خادم بنا دیتا ہے اور یہی ہے جو قوم کے لیے زہر قاتل بن جاتا ہے۔ ہمارے ازلی دشمن رات دن اس سوچ اور فکر میں مشغول ہیں کہ کس طرح امت کے ان راہبروں کا نام ونشان صفحہ ہستی سے مٹایا جائے۔ اس سوچ اور فکر کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے وہ ہر حربہ استعمال کر رہے ہیں، کبھی اپنے کاسہ لیس نمک خوروں کو اقتدار کی راہداریاں دکھا دیتے ہیں تو کبھی قوم کے معزز لوگوں کو (جن پر یہ قوم اندھا اعتماد کرتی

ہے) ہمنوا بنا کر اپنے منصوبوں پر پاک صاف ہونے کی مہر ثبت کروالیتے ہیں، ماحول کی آلودگی کے لیے ہمارے یہ " خیر خواہ" اور دشمن کبھی میڈیا کو استعمال کرتے ہیں تو کبھی سیاستدانوں کو، کبھی نوجوان آلہ کار بنتے ہیں تو کبھی قوم کی بیٹیاں ملک کی عزت اور وقار کو مجروح کرتی ہیں۔ ہمارے ان نوجوانوں کی ہنستی مسکراتی زندگیوں کو اجاڑنے والے دراصل یہی ہرکارے ہیں مگر ان کے ہمنوا خواہ وہ سیاستدان ہوں یا انتظامیہ سبھی اس جرم میں برابر کے شریک اور قصوروار ہیں، رہی سہی کسر والدین کی بے توجہی اور حد سے زیادہ محبت اور شفقت پورا کر دیتی ہے۔ اگر محمد وسیم کے والدین اس سے آمدنی کا استعمال پوچھ لیا کرتے، ماحول کے اثرات سے اسے بچاتے، بے جا شفقت، پیار سے گریز کرتے اور اس کے دوستوں پر نظر رکھتے تو شاید آج وہ اس جگہ نہ ہوتا بلکہ کسی اعلی مقام پر کھڑا والدین کا سر بھی فخر سے بلند کرتا اور ملک کا نام بھی روشن کرتا۔

یہ حقیقت ہے کہ نوجوان ملک وملت کے بازو ہوتے ہیں جن کی طاقت، قوت کے بل بوتے پر قومیں اپنا وجود باقی رکھتی ہیں اور ترقی کی منازل طے کرتی ہیں۔ ترقی یافتہ قومیں "ان بازؤں" کی نگہبانی کی بدولت آج خوشحالی اور امن وسکون کی زندگی سے بھی لطف اندوز ہو رہی ہیں اور اپنا نام ونشان بھی باقی رکھے ہوئی ہیں۔ اگر ہمیں ترقی یافتہ اقوام کی صفوں میں کھڑا ہونا ہے تو "ان بازؤں" کو ان ہرکاروں اور میر جعفروں کے ناپاک عزائم سے بچانا ہوگا ورنہ اگر یہ نوجوان

اس طرح تباہ ہوتے رہے تو ایک دن ہمارا نام ونشان بھی مٹ جائے گا اور دشمنوں کے ناپاک منصوبے، عزائم خود بخود پورے ہو جائیں گے۔ اب بھی وقت ہے تبدیلی کا سنبھلنے کا، سوچنے کا، تیاری کرنے کا! ہمیں ضرور اپنی خامیوں سے سیکھنا ہوگا والدین کو، اپنا کردار ادا کرنا ہوگا، قوم کے ہر ہر فرد کو صحیح اسلامی فلاحی ریاست کی خاطر اپنی تئیں اس فرض کو نبھانا ہوگا اور رشوت خور، ملک دشمن میر جعفروں کو اپنی صفوں سے چن چن کر نکالنا ہوگا، تب جا کر یہ سرمایہ محفوظ ہوگا اور ملک اسلام کا قلعہ بنے گا۔

مسکراتے چمنستانوں کو اجڑنے سے بچائیں

یہ 2008 کی بات ہے جب محمد احمد اپنی فیملی کے ساتھ خوش وخرم زندگی بسر کر رہا تھا۔ تین بیٹوں اور دو بیٹیوں کے ہمراہ اس کی زندگی نہایت حسین اور پر مسرت انداز میں گزر رہی تھی۔ مسائل تو تھے پر وسائل کی کمی نہ تھی، خدا کا دیا سب کا کچھ تھا۔ دین ودنیا دونوں سے ان کا آنگن آباد وشاد تھا۔ ایک بیٹا ڈاکٹر اور دو انجینئر تھے، ایک بیٹی ایف ایس سی اور ایک میٹرک میں پڑھ رہی تھی اور خود محمد احمد ملک کے باعزت ادارے میں اپنی خدمات سے سبکدوش ہو کر ریٹائرآ فیسر کا لقب سجائے گھر میں بچوں کی تربیت کر رہا تھا۔ پورا گھرانہ نیک سیرت اور شریعت پر مکمل عمل پیرا تھا۔ اہلِ محلہ محمد احمد کی تعظیم تو کرتے ہی تھے ساتھ ساتھ اس کے بچوں کی معصومیت اور خدا ترسی کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھتے، خود محمد احمد بھی اپنی اولاد سے بے حد خوش اور مطمئن تھا۔ یوں زندگی کا پہیہ سکون اور آسانی سے چل رہا تھا کہ ایک دن وہ آفت منڈھ لائی کہ سب ہوا ہو گیا سکون رہا نہ چین۔ آفت اس قدر ہولناک اور ناقابل برداشت تھی کہ محمد احمد کیا بلکہ پوری فیملی کو دن میں چین آتا تھا نہ رات کو قرار ملتا۔ آفت کا پسِ منظر دل خراش اور دل دہلانے والا ہے۔ ہوا یوں کہ محمد احمد کے گھر میں نہ موبائل فون کی بہتات تھی نہ کیبل اور ٹی وی کا تصور تھا بس گھر میں یا تو محمد

احمد کے پاس موبائل تھا یا پھر بیٹوں کو یہ سہولت میسر تھی، گھر میں پی ٹی سی ایل تھا جو صرف سننے کی حد تک کارآمد تھا۔ نت نئے انداز میں ملک دشمن عناصر کی شاطرانہ چالیں اور قوم کے معصوم پھولوں اور کلیوں کو مرجھا دینے والی زہریلی ہواؤں کا محمد احمد کے گھر والوں پر ذرہ برابر تک اثر نہ تھا لیکن سچ ہے یہ بات کہ "جب ہوا چلتی ہے تو سب کو اپنی لپیٹ میں لیتی ہے" بروں کو دیکھتی ہے نہ معزز اور پاک طینت لوگوں کی شرافت اور شرم وحیا کا لحاظ کرتی ہے بس ہر کسی کو ضرور مس کرتی ہے۔اس زہریلی ہوا کے گرم تھپیڑوں کی زد میں محمد احمد کی بڑی بیٹی جو ایف ایس سی کی طالبہ تھی آ گئی ۔کالج میں غلط صحبت کا اثر یہ ہوا کہ وہ فون پر محبت کے گن گانے لگی اور رفتہ رفتہ گھر سے چکمہ دے کر اس جھوٹی محبت میں" حقیقی رنگ بھرنے "شریروں کے سامنے جلوہ افروز ہونے لگی۔ جھوٹی محبت کے افسانوں میں اس قدر گرفتار ہوئی کہ اپنے ارمانوں کو پورا کرنے کی خاطر اپنوں کو چھوڑ کر غیروں کے دامن کو تھام لیا۔پھر کیا تھا ہر سو بازگشت سنی سنائی جانے لگی اس افسانے کی اور جو بیتی محمد احمد اور ان کے اہلِ خانہ پر اسے قلم بھی زیبِ قرطاس کرنے سے قاصر ہے۔

سچ کہتے ہیں خداترس ،ماہر نباض اور وقت شناس کہ" جلبِ منفعت دفعِ مضرت سے بہتر ہے "۔وہ نفع ہی کیا جو نقصان کا سبب بنے ،اس پانی کا کیا فائدہ جو بجھائے پیاس بجھانے کے بجائے انگ انگ کو گرمادے اور پیاسا کردے۔ سائنس

وٹیکنالوجی کی کرشماتی اور حیرت انگیز کامیابیوں سے زندگیوں کو سکون وراحت تو ملا ہی ہے پر جو نقصانات اور فساد برپا ہوئے اس کا خمیازہ معاشرہ اور افراد سبھی بھگت رہے ہیں۔ موبائل فونز ہوں یا ٹی وی اور کیبلز، کمپیوٹر ہوں یا جدید ذرائع ابلاغ غرض ہر ایک سائنسی ایجاد کے فوائد ہیں مگر جو نقصانات ہیں وہ فوائد سے بڑھ کر ہیں۔ صرف موبائل فون کے نقصانات اور فوائد پر تجزیہ اور رائے لی جائے تو نقصانات کے حق میں مثبت رائے کا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔ ہم میں سے ہر کوئی اس حقیقت کو دل وجان سے تسلیم کرتا ہے کہ موبائل فون سے زندگیوں اور معاشروں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ قوم کے ہنستے پھول اور مسکراتی کلیاں اس ناسور کی گرویدہ ہو کر خوشبو دینا چھوڑ گئے ہیں۔ محمد احمد جیسے سینکڑوں لوگ ہیں جن کے گھروں کا راحت وسکون اس ناسور کی وجہ سے غارت ہوا، سینکڑوں آدم کے بیٹے اور حوا کی بیٹیاں ہیں جو اس آفت کا شکار ہو کر اپنے دامن کو تار تار وداغدار کر چکے اور کر رہے ہیں۔ لیکن ہم آئے روز اقتدار کے پجاریوں کی ملک دشمن اور مفاد پرست پالیسیوں پر نکتہ چینی کرتے ہیں اور مصنوعی بحرانوں کے خلاف سڑکوں پر ریوڑوں کی طرح اپنے ہی ہاتھوں لگائے ہوئے چمن کو اجاڑنے میں بے فائدہ وقت اور دولت لٹاتے ہیں مگر اس ناسور اور اس کی کمانڈ کرنے والوں کے خلاف بولتے ہیں نہ سوچتے ہیں اور نہ سڑکیں بلاک کرتے ہیں۔ آج تک کبھی گھنٹوں گھنٹوں کے پیکج نکالنے والوں کے خلاف کسی نے آواز تک بلند نہیں کی، کسی نے اتنے سستے ترین کال ریٹس (جو دنیا کے دیگر

ملکوں میں بالکل نہیں ہیں)اور سمیں فروخت کرنے والوں کے خلاف دولت اوروقت صرف نہیں کیا۔ حکمران ہوں یا سیاستدان، عدلیہ ہو یا ماہر قانون دان،تاجر برادری ہو یا وکلاء برادری، صحافی برادری ہو یا قوم کے معمار تیار کرنے والے اساتذہ واہلِ ادب کسی نے ان ہتھکنڈوں کو لگام دینے کے لیے کوئی خاطر خواہ سرسری و عملی کام نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے آج آدھی سے زیادہ قوم مغرب اوراہل مغرب کی سوچ ، فکر اور ناپاک منصوبوں کو اپنے ہی ہاتھوں سے پورا کر رہی ہے اور اپنی آزادی کو گروی رکھ کر خوشی سے پھولے نہیں سما رہی ۔پاکستان میں دس کروڑ سے زائد افراد ان ازلی دشمنوں کے اِس مکروہ دھندے میں جکڑے ہوئے ہیں۔امیر ہو یا غریب ،نوجوان ہو یا بوڑھا، مرد ہو یا عورتیں سبھی موبائلز کے سحر میں مبتلا ہیں ۔کاروباری حضرات موبائل استعمال کریں تو سمجھ میں آتا ہے مگر طالب علم ،طالبات اور بے سمجھ بچوں کے ہاتھوں میں ان کا آنا عقل سے بالاتر ہے۔

عید پر کچھ نہ کرنے والوں نے اچھاکام کیاتو صاحب فراست لوگوں نے بھی ان کو داد دی ۔حجام کے بیٹے ہوں یا مزدور کے ،کام اچھے تو سبھی کر سکتے ہیں کیونکہ فطرت سلیمہ ہر کسی کو خدا نے دی ہے۔یقیناوہ لوگ جو ہمیشہ ملک کے باعزت افراد اور اداروں پر تنقیداور الزام دھرتے رہے انہوں نے جو بیان دیا بھلے وہ کچھ دنوں اور مفاد کے لیے تھا لائق تحسین اور قابل داد ہے۔پری

پیڈ سمیں بند کرنے کا اعلان واقعی مسیحا کی طرف سے عقلمندی اور دانشمندی پر مبنی تھا۔ تبھی کہا محترم حاصل تمنائی نے: بننے والا تھا سمِّ قاتل وہ سِم کو جب ہی تو جام کر ڈالا

محوِ حیرت ہوں کیوں مسیحا نے

عقلمندی کا کام کر ڈالا

پری پیڈ سمیں بند کرنے کے جہاں فائدے ہیں وہیں نقصانات بھی ہیں لیکن یہ سچ ہے چاہے کسی کو کڑوا کیوں نہ لگے کہ حکومت کا یہ اقدام معاشرے کی اصلاح میں مد ومعاون ہوگا۔اس حقیقت سے انکار نہیں کہ ملک کے 90 فیصد افراد پری پیڈ کنکشن استعمال کرتے ہیں،اور پوسٹ پیڈ کنکشن سے غریب کی غربت میں اضافہ ہوگا مگر اس حقیقت کو نظر انداز کرنا بھی نا انصافی ہوگی کہ ملک میں سب سے زیادہ بگاڑ و فساد، جھوٹ ،بد امنی ،لڑائی جھگڑے ،بے راہ روی اور جنسی تسکین کے لیے اسباب بھی انہی کنکشن کے ذریعہ فراہم ہوتے ہیں اور ذریعہ بھی یہی سمیں بنتی ہیں ۔ حکومت نے صرف دہشت گردی کے پہلو کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ اعلان کیا تھا لیکن اس کے علاوہ بہت سے ایسے پہلو ہیں جو اس اعلان بلکہ اس کے عملی نفاذ کے لیے نا گزیر ہیں، کیونکہ نوجوان جو قوم کا سرمایہ ہیں جن کے سہارے ملک کی عمارت کھڑی ہے، جن کے افکار اور سوچ سے یہ وطن ترقی کر سکتا ہے ،اَن گنت مسائل سے چھٹکارا مل سکتا ہے قوم کے اس سرمایہ کو یہ "گھن "سب سے

زیادہ کھو کھلا کر رہا ہے۔اس کے علاوہ محمد احمد جیسے ہنستے مسکراتے چمنستانوں کو اجڑنے سے بچانے کے لیے بھی اس اقدام واعلان کا عملی نفاذ وقت کی اشد ضرورت ہے۔ لیکن ! درد رکھنے والوں کی دردمند آواز سنے تو کون سنے ؟افسوس صد افسوس ! جب یہ سطریں لکھی جارہی ہیں اس وقت تک ہمارے عزائم اور حوصلوں کو ماند کرنے والی یہ خبر پھیل چکی ہے "کہ صرف غیر قانونی سمیں بند کی جائیں گی "اور یہ خبر اپنے پیچھے یہ پیغام چھوڑ گئی کہ محترم ابنِ حجام کے منہ سے نکلے ہوئے پھول استروں کے وار سے زیادہ تیز ہیں اور ان پھولوں سے مہک کی بجائے ناامیدی اور مفاد پرستی کی بو آتی ہے۔ خبردار ! نہیں ہے دور اندیش وہ جو اس زبان سے جاری ہونے والے کلمات پر بے دھڑک اور اندھا اعتماد کرلے کیوں کہ ان لوتھڑوں پر اعتبار کرنا خام خیالی اور خیالی پلاؤ سے کم نہیں ہے۔

اب وقت ہے جاگنے کا، قوم کو سدھارنے کا، یہ فیصلہ اب ہم نے کرنا ہے کہ ہم محمد احمد جیسے کتنے چمنستانوں کی آبیاری کرتے ہیں، کتنے گھروں کو اجڑنے سے بچاتے ہیں ؟ یہ ذمہ داری بھی ہم پر ہے کہ ہم قوم کے اس سرمایہ کو دیمک سے بچاتے ہیں یا ان دشمنوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتے ہیں۔

شمالی وزیرستان آپریشن اور ڈرون حملوں کے ممکنہ بھیانک نتائج

"تم ملک دشمن عناصر اور افراد کی کاروائیوں کا حصہ کیوں بنتے ہو؟ کیا تم پاکستانی نہیں ؟ملک سے محبت اور عقیدت کے جذبات تمہارے دلوں میں نہیں بڑھکتے ؟تم کیوں اس ملک کے پیچھے ہاتھ دھو کر لگے ہوئے ہو؟ کیوں وطن عزیز کی عزت و آبرو کا کھلواڑہ کر کے جگ ہنسائی کر رہے ہو؟ لاکھوں افراد کے خون سے سیراب ہونے والے اس چمن کو کیوں اجاڑ رہے ہو؟ کیوں اپنی آزادی کو اپنے ہی ہاتھوں سے غلامی کا طوق پہنا رہے ہو ؟ تمہارے جیسے نوجوانوں کی وجہ سے آج پاکستان کی ہر جگہ ذلیل مٹی ہو رہی ہے"۔ 35 سالہ پولیس آفیسر محمد اسلم کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا ،پیشانی سے پسینہ پانی کی طرح ٹپک رہا تھا، چہرہ اور آنکھیں خون کی طرح سرخ ہو رہی تھیں۔اٹھارہ سالہ گل بہادر خاموش تماشائی بنا تھر تھر کانپ رہا تھا اور اس کے معصوم چہرے پر موتیوں کی طرح موٹے موٹے آنسو روانی سے جاری تھے۔ محمد اسلم کی چلاتی آواز اور گل بہادر کی دل سوز چیخیں سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میں ہانپتا ہانپتا کمرے کی طرف دوڑا اور اندر جا کر گل بہادر کو سینے سے لگا لیا، میرے دل سے چمٹ کر اس کی ہچکیاں بند ہونے لگیں، میرے شفقت بھرے ہاتھوں کو اپنے سر پر رکھا دیکھ کر اس کی جان میں جان آ گئی۔ محمد اسلم یہ منظر دیکھ کر اور بڑھک اٹھا "تم جیسے لوگوں کی ہمدردیوں نے آج ان جیسے لوگوں کو ملک کا دشمن

بنادیا ہے، ملک کا امن وامان سبوتاژ کرنے کے ذمہ داران کے ساتھ ساتھ تم بھی ہو، تمہارے آشیر بادہی سے یہ لوگ مساجد اور بازاروں میں معصوم لوگوں کو بم حملوں کا نشانہ بناتے ہیں۔ تم اگر ان دہشت گردوں کی سرپرستی اوراعانت کرنا چھوڑ دو تو ملک میں خوشحالی اور امن وامان کی ہوائیں چلنے لگ جائیں، پاکستان ترقی یافتہ اقوام کے ساتھ کندھا ملا کر کھڑا ہوجائے، تمام مسائل ایسے حل ہوں کہ تا قیامت پاکستان کبھی تنگی اور بد حالی کا شکار نہ ہو"۔ پولیس آفیسر روانی کے ساتھ غیروں کے زبانی اپنے منہ سے پھول "برسارہا تھا جو میرے زخموں پر مرہم کی بجائے نمک بن کر گر رہے تھے جن کی" مہک سے میں زمین میں دھنساجارہا تھا۔

میں نے ہواس پر قابو رکھتے ہوئے کہا سر! آخر اس معصوم اور بے گناہ کا قصور کیا ہے جو آپ اس پر اس قدر آگ بگولا ہیں۔ بے گناہ اور معصوم۔۔۔۔؟ کوٹ کوٹ کر بھری ہے ہمدردی تمہارے اندر۔۔۔ پولیس آفیسر چلایا۔ میں نے معذرت طلب کی اوراس سارے ماجرے کا پس منظر جاننے کی کوشش کی۔ پولیس آفیسر کا غصہ کچھ ٹھنڈا ہوا اور وہ لمبی سانس لے کر سامنے رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیااور مجھے بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ گل بہادر سامنے کھڑا غصیلی نظروں سے محمد اسلم کو تاڑنے لگا۔ میں نے اسے بلا کر اپنے قریب بٹھالیا۔ پولیس آفیسر گویا ہوا۔ "محترم! یہ نوجوان پولیس چوکی پر خود کش حملہ کرنے جارہا تھا بس اپنی

مذموم مہم جوئی کو پورا کرنے کے قریب ہی تھا کہ ہمارے بہادر نوجوانوں نے اسے روکنے کی کوشش کی ،نہ رکنے پر گولی چلانے کی دھمکی بھی دی ، لیکن یہ اس کی کم عقلی سمجھیں یا اس کی کمانڈ کرنے والے ملک دشمن افراد کی بیوقوفی یا پھر ہمارے نوجوانوں کا دبدبہ اور رعب کا اثر تھا کہ اس نے اپنے ہاتھ کھڑے کر لیے اور خود کو ہمارے حوالے کر دیا ورنہ آج تک اس جیسے ملک دشمن دہشت گرد اس طرح کے موقعوں پر خود کو اڑانے میں ہی عافیت جانتے ہیں اور جانتے رہے ہیں ۔ ملکی تاریخ کا یہ پہلا موقع ہے کہ کسی دہشت گرد نے اپنے آپ کو خود بخود اتنی آسانی سے قانون کے حوالے کیا ہو"۔

میں نے پولیس آفیسر کی نرم خوئی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یک دم گل بہادر سے اتنی بڑی ملک دشمن مذموم کاروائی کی جرات کی وجہ دریافت کرنے کی اجازت طلب کی ۔پولیس آفیسر نے اس مرتبہ بھی سخاوت کا مظاہرہ کیا۔"کیوں گل بہادر آخر کیا ضرورت تھی تمہیں کہ تم اتنی بڑی حرکت کرنے پر آمادہ ہو گئے؟"صاحب !آپ کو تو معلوم ہے کہ ہم جنوبی وزیرستان کے باسی ہیں ،ملک کے ساتھ ہماری ہمدردیاں اور ملک کی خاطر ہمارے آباؤ اجداد کی لازوال قربانیاں کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ۔سر کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ہم ملک کی سرحدوں کے محافظ اور نگہبان تھے ،آزادی ہند کے وقت ریفرنڈم میں ہم نے پاکستان کے حق میں اپنا ووٹ کاسٹ کر کے محبِ وطن ہونے کا ثبوت دیا تھا۔سر کیا ہمارے نوجوانوں نے بیرون ملک مزدوریاں کر کے ملکی

خزانے کو خاطر خواہ سرمایہ فراہم نہیں کیا، سر کیا ہماری زمینوں سے نکلنے والے چشموں سے پورا ملک مستفید نہیں ہو رہا، کیا ہمارے پہاڑوں کے ابلتے خزانے ملکی ترقی کے لیے استعمال نہیں ہو رہے ؟۔ سر! آخر ایسا کونسا گناہ ہم سے سرزد ہوا ہے جس کی پاداش میں ہمارے گھروں کو صفحہ ہستی سے مٹایا جا رہا ہے، ماؤں کو تڑپایا جا رہا ہے، عورتوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیم کیا جا رہا ہے۔ سر! کس جرم کی پاداش میں ہم پر ہماری ہی زمیں تنگ کر دی گئی، کونسی ایسی غلطی ہے جس کی سزا ہمیں اپنے اور غیر یکٹ جا ہو کر دے رہے ہیں ۔ کبھی ڈروں حملوں کی شکل میں ہماری اینٹ سے اینٹ بجائی جاتی ہے تو کبھی فوجی آپریشن کے نام پر ہماری بستیوں کی بستیاں مسمار کر دی جاتی ہیں۔ سر! کیا ہم اس قدر گندے اور بدبودار ہو گئے ہیں کہ ہمارے اپنے ہی بھائی ہم پر اپنی جان و مال لٹا کر ہمارے وجود سے خدا کی اس زمین کو پاک کرنے پر تلے ہوئے ہیں ؟ سر! کیا پڑھنا لکھنا صرف ملک کے دیگر حصوں میں بسنے والے بچوں کے لیے مقدر ہے اور ہماری قسمت میں کتابوں کی جگہ صر ف بندوقیں اٹھانا ہی ہے۔ سر! کیوں یہ دوہرا معیار ہم سے برتا جا رہا ہے ؟ کیوں ہمیں دہشت گرد بنایا جا رہا ہے ؟ کیوں ہمارے ساتھ یہ ظلم اور ناانصافی کی جا رہی ہے ؟۔ کیا اس لیے یہ مظالم ہم پر ڈھائے جا رہے ہیں کہ ہم اسلام پسند ہیں اور جس نظریہ اور سوچ کی بنیاد پر یہ ملک وجود میں آیا اس نظریہ اور سوچ کو عملا نافذ کروانا چاہتے ہیں۔ کیا ہمارا جرم یہی ہے کہ ہم اس چمن کو اسلام کا حقیقی گلستان بنانا چاہتے ہیں اور اس کے لیے پرامن جدوجہد

کرتے ہیں ۔سر ! مجھے اس نوبت تک اپنوں کا دہرا معیار لایا ہے، میرے گھر کے تمام لوگ ڈرون حملے میں مارے گئے ،اب میرے لیے سوائے اپنے بدلے کے اور کچھ کام نہیں ہے"۔ گل بہادر بولتا جارہا تھا پولیس آفیسر اور میری آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بحرِ بیکراں بنتا جارہا تھا۔نوجوان مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ پولیس آفیسر کھڑا ہوا اور گل بہادر کو اپنے گلے سے لگایا،اسے اس کے حقوق دلوانے کا وعدہ کیا اور میں لڑھکتے پاؤں کے ساتھ آنسو پونچھتا ہوا گھر چل دیا۔

قارئین آپ سوچ رہے ہوں گے کہ یہ من گھڑت افسانہ یا پھر کوئی سازش ہے ،اس سے ملک دشمن عناصروں کا حوصلہ اور ہمت بڑھے گا۔نہیں ہرگز نہیں ! یہ حقیقت ہے اور سچ ہے کہ" ہم نے خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری "۔اپنے ہی ہاتھوں سے اس گلستان کے لیے گل بہادر جیسے سینکڑوں معصوموں کو کانٹے بنادیا جس کی وجہ سے آج پاکستان کے نام سے موسوم عمارت کی بنیادیں کھوکھلی ہوتی جارہی ہیں ۔مسائل وسائل کے لاتعداد مصنوعی بحران پیدا ہوچکے ہیں ،بدامنی ،فساد ،بیروزگاری جیسی موذی اور متعدی مرض کا ہر پاکستانی شکار ہوگیا ہے۔نااہل حکمرانوں اور ہماری غفلت سے گل بہادر جیسے قیمتی سرمایہ بے دردی سے ضائع ہورہا ہے۔یارلوگوں کی عیاری اور مکاری کا شکار ہمارے بے ضمیر، عاقبت نااندیش حکمرانوں نے پہلے جنوبی وزیرستان اور اسکے ملحقہ علاقہ جات میں آپریشن کے ذریعہ لاکھوں لوگوں کو گھربار سے محروم کیا،ملکی خزانہ کو بے دردی سے غیر

وں کے ناپاک منصوبوں پر بہایااوراب شمالی وزیرستان میں تاریخ کی مہنگی ترین غلطی دہرانے کے لیے ماحول کوسازگار بنایاجارہاہے۔اگریہی سرمایہ (جوقبائلی علاقہ جات ہیں،اپنے ہی لوگوں کو مارنے کے لیے لٹایاگیاتھا) ملکی ترقی کے لیے استعمال کیاجاتاتوآج پاکستان لوڈشیڈنگ ،مہنگائی ،بیروزگاری ،ریلوے بحران ،سٹیل مل ،پی آئی جیسے اداروں کی تباہ حالی اوراس جیسے دیگر سینکڑوں اندوہناک ،گمبھیر مسائل کا شکار نہ ہوتا۔اگراسی سرمایہ کوایمانداری سے صحیح مصرف پر خرچ کیاجاتاتوآج آئی ایم ایف کے قرضوں تلے پاکستان نہ دبا ہوتالیکن حکمرانوں کے غلط پالیسیوں اورغلط فیصلوں کا نتیجہ ہے کہ آج پاکستان 65سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ تمام شعبوں میں یتیم اور لاوارث نظرآتاہے۔ موجودہ حالات کا تقاضاتویہ ہے کہ شمالی وزیرستان اور ملک کے کسی اور کونے میں ماضی کی غلطیاں نہ دہرائی جائیں بلکہ ان سے سیکھاجائے اورآئندہ کالائحہ عمل طے کیاجائے کیونکہ جنگ اورآپریشن مسائل کاحل نہیں ہے ،لیکن اس سیکھنے کامطلب یہ ہرگزنہیں ہے کہ ہاتھ پے ہاتھ رکھ کربیٹھاجائے،ڈرون حملوں کی درپردہ سپوٹ کی جاتی رہے اور انہیں روکنے کے لیے کوئی عملی قدم نہ اٹھایاجائے کیونکہ اگریہ حملے جاری رہے اور ہم ماضی کی غلطیاں دہراتے رہے توپھر گل بہادر جیسے سینکڑوں پھول ہمارے لیے کانٹے بن جائیں گے ان کے

معصوم ہاتھوں میں بجائے قلم کے خون بہانے والے ہتھیار ہوں گے اور ہم پھر ناختم ہونے والے مسائل کی تاریکیوں میں ڈوبتے چلے جائیں گے جہاں سے پھر نکلنا شاید ناممکن ہوجائے اور تاریخ کے جھروکوں میں ہم تاقیامت قوم کے مجرم ٹھہریں گے۔خدارا! ہوشیار ہوجائیں، بیدار ہوجائیں! اور حکمرانوں کو ماضی کی غلطیاں دہرانے سے باز رکھیں۔

مسائل میں گھرا پاکستان، راہِ نجات اور نجات دہندہ

کسی بھی مملکت یا ریاست کے وجود اور بقاء کے لیے عوام ریڑھ کی ہڈی اور قلب کی مانند ہوتے ہیں۔ عوام کے بغیر نہ کوئی ملک ملک کہلا سکتا ہے اور نہ ریاست ریاست کہلا سکتی ہے، کیونکہ مملکت کی تشکیل میں بنیادی عوامل و عناصر یہی افراد ہوتے ہیں اسی وجہ سے عوام کی حقیقت اور طاقت کا انکار نا ممکن ہے۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ عوام اپنے لیے جو چاہے کر سکتی ہے، پرامن معاشرہ کا خواب ہو یا تعلیم و تعلم کے لیے سازگار ماحول کی خواہش، عادل، دردمند اور محب وطن حکمرانوں کی ضرورت ہو یا پھر انصاف اور دیانتدار قضاۃ کی حاجت، دشمنوں کے سامنے کلمہ حق کہنے والے نڈر بے باک اور شجاع سپہ سالار ہوں یا بھٹکی ہوئی قوم کو راہِ راست پر لانے والے دردِ دل صوفیاء ہوں' عوام اپنے لیے ان سب عقدوں کی گرہیں باآسانی حل کر سکتی ہے۔ کیونکہ عوام ایک طاقت ہے جو اپنی قوت، بہادری، جوانمردی کے بل بوتے پر اپنے ملک کے لیے خارجی و داخلی خطرات سے نمٹ سکتی ہے اور دشمنوں کو زیر کر سکتی ہے۔ عوام کی سوچ، فکر، محنت اور جدوجہد ہی سے ممالک بلندیوں کی اوج ثریا تک پہنچتے ہیں اور ترقی کا پروانہ تھامے سر پر دنیا کی حکمرانی کا تاج سجاتے ہیں۔ لیکن یہ بھی تلخ حقیقت ہے کہ ریاستوں کی تباہی اور بربادی کی ذمہ دار بھی غفلت میں ڈوبی ہوئی عوام بنتی ہے، کیونکہ کوئی ملک اس وقت تک تباہ حالی اور

غلامی کا شکار نہیں ہوتا جب تک وہاں بسنے والی عوام بیدار مغز اور محب وطن ہو۔ دنیا کی پانچ ہزار سالہ تاریخ گواہ ہے کہ اقوام کی خوشحالی اور آزادی غداری، لاپرواہی اور سستی کی وجہ سے پستی اور غلامی میں بدلیں۔

ملکوں میں بسنے والی عوام امیر، متوسط اور غریب کے بندھن میں بندھی ہوتی ہے۔ دنیا کے تمام خوشحال اور ترقی یافتہ ممالک اپنے باشندوں میں اتحاد واتفاق اور مساوات کی خاطر مساوی معاشی پالیسیاں اور انصاف پر مبنی قوانین وضع کرتے ہیں اور اس فارمولے کو عملی جامہ پہنانے کی خاطر تمام تر وسائل اور توانائیاں خرچ کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج دنیا میں ترقی یافتہ ممالک انہی مساوی پالیسیوں کی بدولت دنیا پر حکمرانی کر رہے ہیں اور ان اسلامی واخلاقی قوانین سے پہلو تہی کرنے والی اقوام آزدی کا لیبل لگائے خوش فہمی میں مبتلا ہیں اور غلامی کی بدترین زندگی گزار رہے ہیں۔ امت مسلمہ عموما اور پاکستان خصوصا اس پرآشوب دردناک کیفیت سے دوچار ہے، بیداریِ مغز جیسی عمدہ صفات سے کوسوں دور ہے۔ انصاف پر مبنی قوانین اور مساوات جیسے اسلامی اصولوں سے قطع تعلق کیے ہوئے ہے اور غفلت کی چادر اوڑھے لمبی تان کر خوابِ غفلت میں محو ہے، یہی وجہ ہے کہ آج کفر یکجا ہو کر عالم اسلام کو مٹانے کے لیے اپنے وسائل اور طاقت کا اندھا دھند استعمال کر رہا ہے۔ جلتی پر تیل کا کام ملت فروش بے ضمیر حکمران کر رہے ہیں جو اسلام دشمنان کے ساتھ چولی دامن کا ساتھ نبھا کر امت مسلمہ کی

تباہی کے مکمل ذمہ دار اور قصور وار ہیں۔

ملکِ پاکستان بھی ان اسلامی واخلاقی اصولوں سے انحراف کی بدولت بدامنی، مہنگائی بیروزگاری اور ناانصافی جیسے گمبھیر اوراَن گنت مسائل میں گھِراہواہے جس سے ہر، پاکستانی محب وطن پریشان ہے۔ان مسائل کے ذمہ دار جہاں حکمران ہیں وہیں عوام بھی ہیں۔کیونکہ عوام ہی کے فیصلوں سے یہ" حکمران" بے تاج بادشاہ بنتے ہیں اور پھر عوام کی قسمتوں کی سودے بازی کرتے ہیں، عوام چاہے تو اپنے لیے عادل، منصف، محب وطن حکمران منتخب کر سکتی ہے جو ملک کو خوشحالی اور ترقی کی راہ پر گامزن کر سکتے ہیں،اور ملک کواسلامی فلاحی ریاست بنانے کا خواب پورا کر سکتے ہیں۔لیکن عوام کی "زندہ دلی اور بیدار مغزی" کی حالت تو یہ ہے کہ وہ اپنے فیصلوں پر پشیمانی کی بجائے اب بھی اِن کھوٹے سکوں سے تبدیلی کی آس لگائے بیٹھی ہے اور مظلومیت کا راگ الاپنے والے ظالموں کو مظلوم تصور کر رہی ہے۔بہرحال حقیقت تو یہی ہے کہ عوام کے ووٹوں اورمنصف اداروں کی سخاوت سے پلنے والی یہ" جمہوری حکومت "چار سال سے زائدکے عرصے میں عوام کے لیے کوئی قابلِ ستائش کارنامہ سرانجام نہیں دی سکی جس پر اسے داد دی جائے یا اس کی مدح سرائی میں زمین آسمان کے قلابے ملائے جائیں،اگرچہ بعض قلم فروش اورزباں فروش اپنے قلم اورزبان کی تمام تر توانائیاں ان کی ستاری اورخوش نمائی پر بے دھڑک صرف کر رہے ہیں۔ان چار سالوں میں منتخب جمہوری

حکومت نے عوام کے لیے اگرچہ کچھ نہیں کیا مگر اپنے لیے بہت کچھ کیا ہے، "اور کرنا بھی چاہیے کیونکہ عوام نے ان کو فری ہینڈ جو دیا ہے"۔ایک اندازے کے مطابق حکومت کی کشتی میں سوار مسافروں نے چار سالہ سفر کی مشقتیں اور صعوبتیں سہنے کے بعد اپنے لیے اتنی دولت ذخیرہ کر لی کہ ان کی آنے والی کئی نسلیں بآسانی زندگی گزار سکتی ہیں۔

گذشتہ چار سالوں میں حکمرانوں کی ضمیر فروشی اور شاہ خرچیوں سے پاکستان جن "ذہنی وجسمانی اذیتوں" کا شکار ہوا اس پر تمام اہلِ پاکستان غمگین اور نوحہ کناں ہیں۔ عوام کی غفلت اور سستی کا نتیجہ ہے کہ ملک میں آئے روز بے ہنگم مسائل بڑھ رہے ہیں، ملک کی ابتری اور پسماندگی کا گراف بلند ہو رہا ہے، معیشت تنزلی کے آخری حدوں کو پار کر رہی ہے، سرمایہ دار اور صاحبِ ثروت لوگ اپنا سرمایہ بیرون ملک منتقل کر رہے ہیں اور قوم کے نوجوان جو ملک کو بحرانوں سے نکال سکتے تھے' وسائل اور حوصلہ افزائی کے فقدان کے باعث اپنے افکار اور صلاحیتیں اغیار کے دامن میں گروی رکھنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ یہ بھی عوام کی لاپروہی کا ثمرہ ہے کہ ملک کا درد رکھنے والے اہل فراست اور عقلمند دانشوروں کا سرِ عام تمسخر اڑایا جا رہا ہے، ملک کی جڑوں کو اپنے خون سے مضبوط کرنے والے اہلِ علم حضرات کو دہشت گردی کے طعنے دے کر ہر جگہ بدنام کرنے کی مذموم کوششیں کی جا رہی ہیں۔ قوم کے محسنوں کو غدارِ وطن کے جھوٹے القاب دے کر ملک کی

خدمت کرنے سے روکا جارہا ہے۔ قومی خزانے کو دولت سے بھرنے والے ریلوے، پی آئی، اور سٹیل مل جیسے مالی اداروں کو ہوس کے پجاری دیمک کی طرح چاٹ گئے ہیں اور اب ملکی خزانے اور غریب عوام کو گنے کی طرح چوس رہے ہیں۔ چوسنے کے انداز، ہر بار مختلف ہوتے ہیں، کبھی ظالمانہ ٹیکسوں کی مد میں یہ ہوس پوری کی جاتی ہے تو کبھی بجلی کے نرخ بڑھا کر، کبھی پیٹرول، ڈیزل اور ایل پی جی کے ریٹ ہائی کرکے جیبوں کو بھرا جاتا ہے تو کبھی سرکاری دوروں کے نام پر قوم کے کروڑوں روپوں کو ہضم کیا جاتا ہے۔ اس سے بڑھ کر لوٹنا اور چوسنا کیا ہو سکتا ہے کہ ایوانِ صدر کا ایک دن کا خرچ تقریباً چودہ لاکھ ہے اور وزیرِ اعظم ہاؤس پر روزانہ گیارہ لاکھ کے لگ بھگ خرچ ہوتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ اِن حالات کا قصوروار کس کو ٹھہرایا جائے؟ عوام کو یا حکمرانوں کو؟ ظاہری آنکھ سے دیکھا جائے تو ان مسائل کے ذمہ دار حکمران ہیں لیکن باطنی نظر دوڑائی جائے تو یہ الزام عوام کے سر جاتا ہے کیونکہ عوام ہی ان حکمرانوں کو اپنے اوپر مسلط کرتے ہیں۔ یہاں یہ بات قابلِ غور اور تعجب خیز ہے کہ عوام ہی ان مسائل کا سبب ہے اور عوام ہی نجات دہندہ ہے۔ رہا یہ سوال کہ " عوام تو بیچاری خود مظلوم ہے وہ بھلا کیسے ظلم کے پہاڑ توڑ سکتی ہے"؟۔ یہ سوال نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان مبارک سے حل ہو جاتا ہے کہ " ظالم حکمران عوام کے اعمال کا نتیجہ ہوتے ہیں جیسے اعمال ہوں گے ویسے حکمران اللہ مسلط کرے ں

گے" ۔اس جواب کی مزید تائید اس ارشادِ ربانی سے ہوجاتی ہے کہ "اللہ اس قوم کی حالت نہیں بدلتے جو اپنی حالت خود نہ بدلے"۔اگرچہ عوام خود کمزور اور مظلوم ہے لیکن ذمہ دار بھی یہی عوام ہے۔ہمارا مقصد اس سے ہر گز کسی کو موردِ الزام ٹھہرانا نہیں بلکہ خواب غفلت میں محو لوگوں کو رجوع الی اللہ کی یاددہانی اور اس کی طرف متوجہ کرنا ہے،تاکہ ہم میں سے ہر کوئی اپنے گریبان میں جھانکے اور رب کے حضور سجدہ ریز ہوجائے۔ موجودہ حالات کا تقاضا بھی یہی ہے کہ توبہ استغفار کی جائے ، سستی ،کاہلی اور غفلت کی چادر کو اتار پھینکا جائے اور ان مفاد پرست حکمرانوں کے چنگل سے نجات حاصل کی جائے ۔نجات کا واحد راستہ رجوع الی اللہ ہے اور ساتھ ساتھ عملاً اسباب بھی تلاش کرنے ہیں اور مسلسل جدوجہد بھی کرنی ہے۔مردہ دل عیش پرست حکمرانوں سے نجات کے اسباب تو بہت ہیں مگر خاص طور پر آنے والے انتخابات میں اہلِ حق کا ساتھ دینا سب سے بڑا سبب ہے جس کے لیے عوام کو ابھی سے تیار رہنا ہوگا۔ان مسائل سے چھٹکارے کے لیے آنے والے انتخابات میں "فصلی بٹیروں اور ازلی لٹیروں" کو قطعاً مسترد کرنا بھی اہم ہتھیار ہوگا۔ناامیدی چونکہ کفر ہے اس لیے یہ کہنا بے حد ضروری ہے کہ یہ کام اتنا مشکل نہیں جو عوام سے نہ ہوسکے اور عوام ہاتھ پہ ہاتھ دھرے خاموش تماشائی بن کر بیٹھ جائے بلکہ یہ تو چٹکی بجانے سے بھی زیادہ آسان ہے، کیونکہ حقیقت یہی ہے کہ عوام اپنے لیے بڑے سے بڑا محاذ سر کر سکتی ہے،ضرورت صرف بیداری کی ہے۔

پاکستانی عوام کو بلادِ عرب میں حالیہ برپا ہونے والی انقلابی تحریکوں سے خصوصا قاہرہ کی سڑکوں پر نکلنے والی عوام اور التحریر سکوائر میں جمع ہونے والے انسانوں کے سمندر سے سبق سیکھنا ہوگا کہ کس طرح وہاں کی عوام نے ملت فروش ظالم وعیش پرست حکمرانوں سے نجات حاصل کی ؟اور وہاں رہنے والی عوام کی بیداری اور بہادری کو بھی اپنے سامنے رکھنا ہوگا تب جاکر ان حکمرانوں سے نجات ملی گی اور اَن گنت نہ ختم ہونے والے مسائل سے چھٹکار ملے گا۔ پاکستان خوشحالی اور ترقی کی راہ پر گامزن ہوگا اور صحیح معنوں میں اسلامی فلاحی مملکت بننے کا خواب پورا ہوگا اور "پاکستان کا مقصد کیا ؟لاالہ الا اللہ "کی صداؤں کی گونج پھر سے پورے عالم میں سنی جانے لگیں گی۔

سات ستمبر یومِ فتح مبین

مجموعی طور پر کائنات میں ازل سے دو گروہ باہم مدمقابل اور صف آرا چلے آ رہے ہیں۔ یہ دونوں گروہ اہلِ حق اور اہلِ باطل کے نام سے معروف اور سرگرم ہیں۔ دنیا میں جتنی تنظیمیں اور تحریکیں مختلف ناموں کے ساتھ مختلف مقامات پر اپنے مقاصد کے حصول کی جنگ لڑ رہی ہیں یا اپنے نظریہ کی تبلیغ کر رہی ہیں ان سب کی ڈوریاں ان دو گروہوں سے باالواسطہ یا بلاواسطہ ملتی ہیں۔ یہ ایسے گروہ ہیں جو مال و دولت بھی رکھتے ہیں اور افرادی طاقت بھی، ان کے پاس ایسے ایسے جیالے ہیں جو ایک آواز پر پلک جھپکنے سے پہلے اپنا مال و دولت اور قیمتی جانوں کو اپنے نظریہ اور عقیدے پر قربان کر دیں۔ ان دونوں گروہوں کی سوچ، فکر، عمل، نظریہ اور عقیدے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ایک گروہ خدا کا عَلم بلند کرنے کی خاطر دعوتِ حق کا اعلان کرتا ہے تو دوسرا دنیا میں باطل کی اجارہ داری کی خاطر زمین و آسمان ایک کر دیتا ہے۔ ہر گروہ اپنے نظریہ اور افکار کا پرچار مخصوص طریقہ اور مخصوص انداز میں کرتا ہے اور اپنے حلقہ احباب و پیروکاروں کو وسعت دینے کے لیے کئی کئی جتن اٹھاتا ہے، اَن گنت مصائب اور طرح طرح کی تکالیف برداشت کرتا ہے۔

یہ دو گروہ آج بھی اپنی مخصوص سوچ وفکراور نظریہ کے ساتھ سرگرم عمل ہیں۔ اہلِ باطل بڑھتی ہوئی اسلام کی حقانیت کے ہوتے ہوئے بھی اپنی تمام تر توانائیاں اسلام اور اسلام چاہنے والوں کے خاتمے پر اندھادھند صرف کررہاہے ،اور اہلِ حق باوجود تنگدستی ،تنگ حالی اورافلاس کے ان کے مذموم عزائم کو نہ صرف ناکارہ بنارہے ہیں بلکہ ان کی سرکوبی کی خاطر ہرجگہ اورہر طریقہ سے دلیرانہ انداز میں مقابلہ بھی کررہے ہیں۔اسلام اوراہل اسلام کے خلاف باطل کی مکروہ سازشیں نئی نہیں، بلکہ ہر آن اور ہر لمحے وقت کی کروٹوں کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہیں۔اہل باطل کبھی اسلام کے پیامبر ﷺ کی پاک رسالت کو چھیڑ کر نبوت پر ڈاکہ ڈالنے کی ناپاک جسارت کرتے ہیں تو کبھی شعائر اسلام کی سرِعام تضحیک کرتے ہیں ، کبھی مسلمانوں کے معبدخانوں کی آبروریزی کرتے ہیں تو کبھی مسلمانوں کو تہہ وتیغ کردیتے ہیں۔یہ گندی ،غیراخلاقی اورنردلانہ حرکتیں کبھی بذاتِ خود کرتے ہیں تو کبھی اپنے خودکاشتہ نمک خور ، ضمیر فروش پودوں سے کرواتے ہیں ،اور خود ان کے پیٹ میں آگ سے زیادہ خطرناک ناپاک جراثیم بھر بھر کر ان کی پشت کو مضبوط کرتے ہیں۔باطل کا یہ بزدلانہ طرزِ عمل آپ ﷺ کی بعثت سے چلاآرہاہے۔باطل ہرزمانہ میں نت نئے انداز سے مسلمانوں کو زک پہچانے کے لیے نئے نئے طریقہ ایجاد کرتے رہے اور کررہے ہیں، لیکن اہل حق نے ہر مشکل وقت میں ان باطل پرست قوتوں کی یلغاراورمکروہ سازشوں کا بھرپور طریقہ سے دفاع کیااورہرجگہ ان کو ہزیمت سے دوچارکیا۔

ء کی جنگ آزادی میں شکست کے بعد مسلمانوں کومزید کمزور کرنے کے لیے کفار1857 نے طرح طرح کے حربے استعمال کیے۔ایک طرف مسلمانوں کے رہن سہن، نظام تعلیم اور معاشرتی واخلاقی اقدار کو پامال کرنے کے لیے مختلف طریقے آزمانا شروع کیے تو دوسری طرف مسلمانوں کے عقائد بگاڑنے کے لیے ملت ودین فروشوں کے ٹولے کھڑے کردیے۔اپنے مکروہ عزائم اورناپاک منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے ءہیں،اسلام کو پارہ پارہ کرنے اورامت مسلمہ کو انگریز کی غلامی میں دھکیلنے کے1883 لیے باطل نے ایک نیا کھیل کھیلا۔گروہِ باطل انگریز جس نے صدیوں ہندوستان پرحکومت کرنے والے مسلموں کا قتل عام کیا اور بزورطاقت ان کے مال ودولت کو لوٹا،خوشحالی اورآزادی جیسی نعمت کو چھینا،اب اس نے اپنی تمام تر توانائیاں مسلمانوں کے مثالی اتحاد واتفاق اوریگانگت کو ریزہ ریزہ کرنے پر صرف کرنا شروع کردیں تاکہ ہمیشہ ہمیشہ یہ قوم غلامی کے بوجھ تلے زندگی گزارے۔اس مقصد کے حصول کے لیے انھوں نے مختلف حربوں اور طریقوں سے اسلام اوراہل اسلام پر وار کئے، کبھی بدعات کے سرچشمہ لوگوں کو اہل حق کے خلاف کفرکے فتوے دینے کے لیے میدان کارزار میں لاکھڑا کیا تو کبھی جہاد کو ختم کرنے کی خاطر اور مسلمانوں کے اجماعی عقائد کو بگاڑنے کے لیے قادیانیت جیسے غلیظ فتنہ کو مضبوط کیا۔انیسویں اور بیسویں صدی کا خطرناک فتنہ فتنہ قادیانیت تھا،لیکن الحمدللہ! اہل حق نے

جہاں دیگر فتن کی سرکوبی کرکے اسلام کی خدمت کی وہیں اس فتنہ کا بھی خوب ڈٹ کر مقابلہ کیااور بالآخر پون صدی پر مشتمل اس جدوجہد کو 7 ستمبر 1974ء کے دن سرخروئی ملی۔

قادیانیت کا گروہ باطل کا خود کاشتہ پودہ تھا جس کو مرزاغلام احمد قادیانی نے پروان چڑھایا اس ملعون نے 1883ء سے مختلف دعوے کیے، کبھی مثل مسیح کا دعوی کرتا تو کبھی مجدد، اور مہدی ہونے کا،ان دعوں کی تردید کے لیے اسی وقت سے علماء حق میدان عمل میں نکل پڑے تھے، یہاں تک کہ بعض اہل بصیرت علماء نے اس پر کفر کا فتوی بھی جاری کیا۔ 1901ء میں اس ملعون نے نبوت کا جھوٹا دعوی کیا تو پورے ملک کے تمام مکاتبِ فکر کے علماء نے اس پر کفر کے فتوے جاری کیے اوراس ناسور کو دفن کرنے کے لیے عملا میدان میں نکل پڑے۔ چونکہ اس ناپاک گروہ کی پشت پناہی انگریز کررہاتھاجس سے مسلمانوں کو شدید نقصان ہورہاتھا تو علماء نے ضرورت محسوس کی کہ اس فتنہ کا عوامی سطح پر محاسبہ کیاجائے، چنانچہ محدثِ کبیر علامہ انورشاہ کشمیریؒ نے اپنے ہونہار شاگردوں کو اس محاذ پر سرگرم کیااوراس فوج کی سپہ سالاری کے لیے اپنے فرمانبردار شاگرد سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو منتخب کیا۔انھوں نے 1930ء میں حضرت احمد علی لاہوریؒ کی انجمن خدام الدین کے سالانہ جلسے سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا"کہ عطاء اللہ شاہ بخاری نیک بھی ہیں اور بہادر بھی، قادیانیت کے خلاف ان کی ایک

تقریر ہماری کئی تصانیف پر بھاری ہے۔ قادیانیت اسلام کے خلاف سب سے بڑا فتنہ ہے اس کی سرکوبی کے لیے میں عطاء اللہ شاہ صاحب کو "امیر شریعت" منتخب کرکے ان کی، بیعت کرتا ہوں۔" بس پھر کیا تھا، پانچ سو علماء نے شاہ صاحب کے ہاتھ پر تحفظ ختم نبوت کے لیے بیعت کی اور اپنا امیر شریعت منتخب کیا۔ مجلس احرار کا قیام بھی علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے حکم پر ہوا۔ اس کے بعد شاہ صاحب کی معیت میں علماء کرام نے اپنی زندگیاں اس عقیدے کے تحفظ کے لیے وقف کردیں اور رات دن اس فتنہ کا تعاقب کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستان کے طول و عرض میں قادیانیت ایک گالی کی علامت بن گیا۔

پاکستان میں 1953ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت قادیانیت کے عوامی محاسبے کی ایک تاریخ ساز جدوجہد تھی۔ اس تحریک میں جنرل اعظم کے حکم پر دس ہزار فدائین ختم نبوت کے سینے امپورٹڈ گولیوں سے چھلنی کیے گئے۔ ختم نبوت کے پروانے ایک کرکے فدا ہوتے گئے مگر شمع ختم نبوت کی لو مدھم نہ ہونے دی۔ بالآخر خون سے لت پت یہ تحریک 1974ء میں نتیجہ خیز بن کر ظاہر ہوئی، سات ستمبر شام ساڑھے چار بجے سے آٹھ بجے کے درمیان اوپر تلے قومی اسمبلی اور پھر سینٹ کے اجلاس ہوئے جس میں دو اہم اور سنہری ترامیم کے ذریعہ قادیانیت کی جڑوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کاٹ دیا گیا اور آئین میں منکرین ختم نبوت مرزائیوں کے دونوں گروہ جن میں قادیانی، اور لاہوری گروپ شامل تھا کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔ یہ

فیصلہ سنا کر تاریخ کے صفحات پر ایسے نقوش ثبت کر دیے گئے جس پر ہمیشہ فخر و اطمینان کا اظہار کیا جائے گا (انشاءاللہ)۔ اس فیصلہ کے بعد قادیانیوں کو قانونی طور پر اسلامی جمہوریہ پاکستان کے جسد سے کاٹ کر الگ کر دیا گیا اور ان کے لیے شعائر اسلام کا استعمال ممنوع قرار دے دیا گیا۔ اب نہ وہ اپنے معبد خانوں کو مساجد کہہ سکتے ہیں اور نہ ان پر مینار بنا سکتے ہیں، اپنے آپ کو مسلمان لکھ سکتے ہیں، نہ کہہ سکتے ہیں، یہ سب کچھ اس تاریخ ساز دن کے تاریخ ساز فیصلہ کے بعد ہوا۔

زندہ اور جیتی جاگتی اقوام کی تاریخ میں کچھ لمحات، واقعات اتنے معتبر اور محترم ہوتے ہیں جو ان کے وقار، عزت و توقیر اور فخر کی علامت ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی سلامتی اور استحکام کو دوام بخشنے کا سبب بن جاتے ہیں، آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ بن جاتے ہیں۔ پاکستان بھی زندہ قوم ہے، اس کے بھی تاریخی لمحات اور واقعات ہیں جن کو پورے ذوق و شوق اور جذبہ سے منایا جاتا ہے اور فخر کیا جاتا ہے۔ پاکستانی قوم چودہ اگست کو یوم آزادی مناتی ہے، چھ ستمبر کو یومِ دفاع مناتی ہے اور مئی کو یوم تکبیر بھی مناتی ہے۔ ان کے علاوہ بھی ایسے لمحات، واقعات ہیں جو 28 یادگار بھی ہیں اور تاریخ ساز بھی، جو قابلِ ذکر بھی ہیں اور قابلِ فخر بھی، جو ملکی سلامتی و استحکام کا ذریعہ بھی ہیں اور امن و امان قائم رکھنے کا سبب بھی، یہ واقعات بھی منانے

چاہییں لیکن بد قسمتی سے ان واقعات اور لمحات سے اکثر لوگ ناواقف اور غافل رہتے ہیں اور یہ لمحات اور ایام روایتی انداز سے گزر جاتے ہیں جن سے سبق سیکھا جاتا ہے، نہ آئندہ آنے والے خطرات سے نمٹنے کے لیے اور دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے تیاری کی جاتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ نئی نسل ان واقعات سے نا آشنا رہتی ہیں جس سے ملک وملت کا نقصان ہوتا ہے۔

سات ستمبر بھی یادگار لمحات، واقعات اور اہمیت کا حامل ہے لیکن اس کی اہمیت اور پس منظر سے اکثر لوگ ناواقف ہیں۔ یہ فدائینِ ختم نبوت کے خون کے رنگ لانے کا دن ہے، یہ وہ دن ہے جب پون صدی کی جدوجہد اور محنت کار گر ہوئی اور اسلام اور پاکستان کے دشمنوں کو ملک کی حدود سے بے دخل کیا گیا۔ یہ دن رب کے حضور سجدہ ریز ہونے کا دن ہے کیوں کہ اس دن اہلِ حق کو فتح مبین ملی اور گروہِ باطل اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود ذلت ورسوائی کا شکار ہوا۔ یہ دن قوم کو بھولا ہوا سبق یاد دلاتا ہے اور اسلاف کی دی ہوئی قربانیوں کی یاد تازہ کراتا ہے تاکہ قوم بھی ان کے نقش قدم پر چلے اور موجودہ فتنوں کا قلع قمع کرنے کے لیے متحد اور کمر بستہ ہو جائے۔ فتوحات کی بقاء اسی وقت برقرار رہتی ہے جب اس کی قدر دانی کی جائے ورنہ ناقدری قوموں کو شکست وریخت کے کھنڈرات بنا دیتی ہے۔ اس دن کے توسط سے ہمیں عزم کرنا چاہئے اسلام اور ملک کے خلاف برسرپیکار دشمنوں کو مار بھگانے کا اور فتنوں کو بے نقاب کرنے کا، تاکہ

اسلاف کا دیا ہوا خون رائیگاں نہ جائے اور ان کی روحیں تڑپنے نہ پائیں، بس یہی تقاضا ہے "یوم فتح مبین" کا۔

نیٹو پر افغان فوج کے حملوں کی وجوہات

"افغان وزارت دفاع نے افغان فوجیوں کی طرف سے نیٹو فوجیوں پر بڑھتے ہوئے حملوں کے واقعات پر اٹھائیس صفحات کا ایک بروشر شائع کیا، جس میں ان حملوں کی وجوہات بتائی گئی ہیں۔اس سال افغان فوجیوں کے ہاتھوں اب تک تقریبا 45 نیٹو اہلکار ہلاک ہو چکے ہیں جن میں اکثریت امریکیوں کی ہے۔گذشتہ سال اس طرح کے واقعات میں 35 نیٹو فوجی ہلاک ہوئے تھے۔بروشر میں ان حملوں کی وجوہات ثقافتی دوریاں اور غلط فہمیاں بتائی گئیں ہیں، بروشر میں ان وجوہات کا ذکر بھی کیا گیا جن سے افغان فوجی غصہ کھاتے ہیں۔ان وجوہات میں چند وجوہ یہ بتائی گئیں کہ نیٹو فوجی نے افغان فوجی سے کہا کہ اپنی بیوی کی تصویر لا کر دکھاؤ تو افغان نے غصے میں آ کر فائر کھول دیا، ایک واقعہ میں افغان فوجی نماز پڑھ رہا تھا اور نیٹو اس کے آگے سے گزرا تو اس نے فائرنگ شروع کر دی، نیٹو فوجی نے آنکھ ماری تو افغان فوجی نے گولیاں چلا دیں، نیٹو فوجی نے ہاتھ کی درمیانی انگلی سے اشارہ کیا تو افغان فوجی برہم ہو گیا وغیرہ۔اس بروشر میں دی گئی گائیڈ لائنز میں ایک لاکھ 95 ہزار نفری پر مشتمل افغان فوجیوں سے کہا گیا ہے کہ بیوی یا رشتہ داروں کی تصاویر دکھانے کے مطالبے کو تضحیک نہ سمجھیں"۔یاد رہے ان واقعات کی روک تھام کے پیش نظر سینکڑوں افغان فوجیوں کو معطل کر دیا گیا ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ ظالم جب ظلم کی آخری حدوں کو پار کرجائے تو مظلوم کی آہیں عرشِ الٰہی کو ہلا دیتی ہیں،اور جب مظلوم کو اس طرح بے بس کردیاجائے کہ وہ اپنے گھربار اعزہ واقارب اورمال ودولت سے محروم ہوجائے تووہ ظالم سے حساب برابر کرنے پر، بھڑک اٹھتاہے اورپھر اسے وہ سبق سکھاتاہے جسے ہر دور میں پڑھا اوریاد رکھاجاتاہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب ظلم وستم کا لاوا پک جائے تو وہ ایک دن ایسا پھٹتا ہے کہ ظالموں کو نشانِ عبرت بناکر رکھ دیتاہے۔یہی وجہ ہے کہ بلادِ عرب میں ظلم کے خلاف بلند ہونے والی مظلوں کی آہوں اور سسکیوں سے وقت کے فرعون جابر حکمران ذلت ورسوائی کا نمونہ بن چکے ہیں،اورتاہنوز یہ سلسہ جاری ہے۔یہ بھی حقیقت ہے کہ مسلمان باوجود کمزوروناتواں ہونے کے عزت داراوردین پر مرمٹنے والے ہوتے ہیں،پھر پختون مسلمان (چاہے وہ افغانی ہوں یاپاکستانی) عام مسلمانوں سے یکساں مختلف ہوتے ہیں ۔ان کے جذبات واحساسات،مزاج،رہن سہن،چال ڈھال،طرزِمعاشرت ومعیشت حمیت اورغیرت کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا،ان کی عفت،عصمت،حیاء،پاکدامنی، مہمان نوازی،فیاضی اورحب الوطنی بے مثل اوربے نظیرہے۔دینی احکامات ہوں یا، دنیاوی معاملات،دونوں کی بجاآوری میں امانت دیانت اوراستقامت کے پیکر ہوتے ہیں ۔شرعی امور کی ادائیگی کاجس قدراہتمام وانصرام پختونوں کے ہاں ہے اتنا شاید ہی کسی اورکے ہاں ہو۔ایک نماز ہی کودیکھ لیں،پختون معاشرے میں نماز چھوڑنے کا تصورتک نہیں

اگر کوئی اس کا موجب ہو بھی جائے تو نہ صرف اسے بے غیرت، بے شرم جیسے طعنوں کا، سامنا کرنا پڑتا ہے بلکہ ڈانٹ ڈپٹ اور مار کٹائی تک کی نوبت برداشت کرنی پڑتی ہے۔
پختونوں کی دو بڑی خوبیاں بہادری اور مہمان نوازی ہیں، ان کی وجہ سے ہمیشہ انہیں احترام اور عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ انہی دو خوبیوں کی بدولت آج طاقت مادیت اور ہوس کے پجاری "نام نہاد" سپر پاور امریکہ اور اس کی ہمنوا استعماری، طاقتیں افغانستان میں زندگی کی گنی چنی آخری سانسیں لے رہی ہیں اور شکست کی ذلت ورسوائی سے بچنے کی خاطر مختلف حیلے اور بہانے تلاش کر رہی ہے۔ یہ افغانوں کی بہادری ہی کا نتیجہ ہے کہ بہادر امریکہ کو گزشتہ گیارہ سالوں میں نام نہاد اور بے بنیاد جنگ کے عوض 47 کھرب ڈالر سے زائد کا ناقابل تلافی پہنچ چکا ہے، معیشت متزلزل ہو گئی ہے، کھرب ڈالر سے زائد قرضے سر چڑھ گئے ہیں۔ اجڈ، گنوار کہنے والے 160
یہود و ہنود اور ان کے آلہ کار ان کی بہادری پر آج بھی متحیر و پریشان ہیں، لیکن بہادری افغان قوم کی ایک ایسی خوبی ہے جو مفاد پرستی کے اس پر فتن دور میں خال خال ہی قوموں کا زیور ہے۔ پختونوں کی ضیافت دنیا میں مشہور ہے اور مہمان کی حقیقی قدر و منزلت بھی انہی کے ہاں ہوتی ہے۔ اس کا اندازہ اسامہ بن لادنؒ کی مہمان نوازی سے بآسانی لگایا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ برداشت، تحمل اور صبر بھی ان کا اہم ہتھیار ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ

مسلسل گیارہ سال سے تاریخِ انسانی کے بدترین مظالم سہہ رہے ہیں اس کے باوجود وہ سرنگوں ہوئے، نہ ان کے حوصلے پست ہوئے۔ افغانوں کی قوتِ برداشت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ 2001ء میں جب برطانوی صحافی ایون ریڈلی بھیس بدل کر افغانستان میں داخل ہوئی اور وہاں گرفتار ہوگئی تو دوران تفتیش اس نے ایک افسر کے منہ پر تھوکا اور گالیاں دیں، تو آفیسر نے اسے محض یہ کہا کہ " تم ہماری بہن اور معزز مہمان ہو" اس شریفانہ برتاؤ کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج وہ اسلام کے سائے تلے پرسکون زندگی گزار رہی ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ افغان فوجی عدم برداشت کے باعث نیٹو فوجیوں پر فائرنگ کرتے ہیں سراسر غلط اور کذب بیانی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ افغان غیرت منداور دین دار ہیں لیکن محض بیوی کی تصویر کے مطالبے پر، نماز کے دوران آگے سے گزرنے پر، آنکھ مارنے پر اور اپنی طرف انگلی سے اشارہ کرنے پر فائرنگ کردینا اور اپنی جان کو داؤ پر لگادینا سمجھ سے بالاتر ہے۔ کوئی انسان اس طرح کی حرکتوں پر اپنی قیمتی جان نہیں کھو سکتا۔ تعجب ہے امریکہ نواز کٹھ پتلی حکومت پر جو اس طرح کی من گھڑت وجوہات پر مبنی بروشر شائع کرتی ہے۔ اس طرح کی حرکتوں پر نہ صرف عقلمند بلکہ جہلاء بھی ہنستے ہیں۔

نیٹو افواج پر افغان فوجیوں کی فائرنگ کی یہ من گھڑت وجوہات نہیں جسے افغان وزارت دفاع نے شائع کیا، بلکہ حقیقت حال یہ ہے کہ افغان فوجیوں کو اس طرح کی

کاروائیوں پر نیٹو فوجی خود مجبور کرتے ہیں۔ کیونکہ جب ان کے سامنے مسجدوں کی بے حرمتی کی جاتی ہے، قرآن مقدس کو جلایا جاتا ہے، راتوں کو گھروں میں گھس کر کمزور افغانیوں کو گولیوں سے بھونا جاتا ہے، عورتوں کی آبرو ریزی کی جاتی ہے، معصوم بچے اور شہریوں کا قتل عام کیا جاتا ہے اور گاؤں کے گاؤں صفحہ ہستی سے مٹائے جاتے ہیں، ان کی آزادی کو کوڑیوں کے عوض بیچا جاتا ہے، بے دینی اور بے حیائی کو پروان چڑھایا جاتا ہے، فحاشی و عریانی کے اڈے قائم کیے جاتے ہیں تو پھر یہ پتھر دل افغان فوجی موم بن جاتے ہیں، ان کا خون بھی گرم ہو جاتا ہے، ان کے اندر وطنیت، غیرت اور حمیت کے جذبات بھڑک اٹھتے ہیں اور پھر یہ اپنی فطرت کے مطابق کام کرنے لگ جاتے ہیں، ظلم کے خلاف چیخ اٹھتے ہیں اور ظالموں کو عبرت کا نشان بنا دیتے ہیں۔ افغان فوجی اس لیے بھی نیٹو افواج کو نشانہ بناتے ہیں تاکہ جلد از جلد امریکہ اور اس کے حواری ان کے ملک سے نکل جائیں اور ان کا ملک پھر سے سلامتی و خوشحالی اور اسلام کا قلعہ بن جائے اور وہ اپنے ملک میں پر سکون زندگی گزار سکیں۔ نیٹو پر افغان فوجیوں کے بڑھتے ہوئے حملوں کا یہی پیغام اور وجوہات ہیں!!

اصل دہشت گرد

"میری یہ فلم سیاسی ہے جو اسلام اور مسلمانوں کے منافقانہ چہروں سے نقاب اتارتی ہے ۔ (نعوذ باللہ) اسلام کینسر ہے، جس کے خلاف ہمیں اپنی طاقت کے مطابق کوشش کرنی چاہیے"۔ دلوں کو چاک کرنے والے تلوار سے زیادہ تیز اور آگ سے زیادہ گرم، یہ گستاخانہ الفاظ دریدہ دہن اور بیسویں صدی کے سب سے بڑے دہشت گرد سام باسل نامی ملعون اسرائیلی نژاد امریکی شہری کے ہیں، جس نے اسلام اور مسلمانوں کے ازلی دشمن یہود و ہنود کے آشیر باد اور امت مسلمہ کی لوٹی ہوئی دولت سے گستاخانہ شیطانی فلم بنائی۔ جس میں نہ صرف کائنات کی عظیم ہستی محسن انسانیت رحمۃ اللعالمین ﷺ اور ان کے جانثار رفقائؓ کی توہین کی گئی بلکہ ظلمتوں اور اندھیروں میں ڈوبی ہوئی انسانیت کی راہبری کرنے والے آفاقی مذہب کا بھی تمسخر اڑایا گیا اور کینسر جیسے موذی مرض سے تشبیہ دے کر اسے مٹانے کے لیے آیندہ بھی اس طرح کی مذموم حرکتیں کرنے کا ناپاک ارادہ ظاہر کیا۔

یہود و ہنود کی اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف سازشیں کوئی نئی بات نہیں ہیں، اسلام کی آمد سے ہی یہ خبیث بد چلن اسلام کے مٹانے کی خاطر طرح طرح کے پروپیگنڈے اور سازشیں کرنے لگے تھے۔ کبھی نبی آخرالزمان ﷺ پر بہتان تراشی

سے کام لیا جاتا تو کبھی ساحر، مجنوں کہہ کر لوگوں کو آپ کے قریب آنے سے روکا جاتا، کبھی آقائے نامدار ﷺ کو اذیتیں دی جاتیں تو کبھی صحابہؓ پر ظلم کے پہاڑ توڑے جاتے، لیکن ان سب سازشوں، مصیبتوں کے باوجود اسلام مٹا، نہ حضور ﷺ کی دعوت و تبلیغ رکی نہ آپ کی شان اقدس میں کوئی کمی آئی، بلکہ اطرافِ عالم میں اسلام کی حقانیت پانی کی طرح پھیلتی گئی جو آج بھی رواں دواں ہے۔ کیوں کہ اسلام پر امن اور معتدل مذہب ہے۔ اخوت، محبت، سچائی، رواداری، ہم آہنگی، یگانگت، انصاف اور اخلاقیات کا درس دیتا ہے۔ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس میں دھوکہ دہی کی گنجائش ہے نہ کذب بیانی کی، منافقت کا تصور ہے نہ عہد شکنی کا، کرپشن کی اجازت ہے نہ اسلام کی دھجیاں اڑانے کی۔ اسلام کے سایہ تلے امیر غریب حاکم محکوم سب برابر ہیں یہی وجہ ہے کہ اسلامی تعلیمات تمام ادیان سے بہتر اور غالب ہیں۔ اسلام سرطان نہیں ہے ورنہ آج دنیا میں اس کے ماننے والے دیگر مذاہب سے کم ہوتے۔ اسلام کینسر بھی نہیں ورنہ غول در غول لشکر اس پرچم تلے جمع نہ ہوتے۔ اسلام منافقت اور دھوکا دہی والا مذہب ہے، نہ مسلمان منافق ہیں، ورنہ آج اس کے ماننے والے قول و عمل فعل میں تضاد رکھتے اور اپنے نبی ﷺ کی حرمت پر یوں پروانوں کی طرح جان فدا نہ کرتے۔ اسلام تو ایک عالمگیر اور آفاقی مذہب ہے جس میں پوری انسانیت کے لیے ہدایت ہی ہدایت ہے۔ جب اسلام کی عظمت، رفعت اور اہمیت کا یہ عالم ہے کہ وہ دنیا کا عالمگیر مذہب بن گیا تو داعیِ اسلام ﷺ کی شان تو اس سے بھی بڑھ کر ہے، پورا قران اس کا شاہد ہے۔ خدا وحدہ لاشریک کے

بعد گر کسی ہستی کا مقام و مرتبہ ارفع و اعلیٰ ہے تو وہ محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات بابرکت کا ہے۔ کیوں کہ "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"۔

اتنے عظیم الشان نبی اور عالمگیر مذہب کی توہین اس کے ماننے والے کیوں کر برداشت کرتے ؟۔آپ کی ذات بابرکت ہر مسلمان کے نزدیک ماں باپ سے بڑھ کر ہے،ادنی سے ادنی مسلمان بھی اپنے ماں باپ کے خلاف گالم گلوچ جیسے نازیبا کلمات برداشت نہیں کر سکتا،تو پھر کیسے عظیم الشان ہستی کے خلاف اتنی بڑی گھٹیا حرکت جس میں آپ کا روپ دھار کر اسلام کا مذاق اڑایا گیا ہو (نعوذ باللہ) برداشت کر سکتے ہیں ؟۔یہی وجہ ہے کہ اس شیطانی فلم کے منظر عام پر آجانے کے بعد ڈیڑھ کروڑ سے زائد مسلمانوں کے دل چھلنی ہوئے اور وہ اپنے آقا کی ناموس کی خاطر جان ہتھیلیوں پر رکھ کر سڑکوں پر نکل آئے۔امریکہ میں شیطانی فلم کے ذریعہ بھڑکائی گئی آگ اس قدر تیز تھی کہ اس کے بلند شعلے بلادِ عرب لبنان ، فلسطین ، یمن، عراق ، مصر، شام ، سوڈان ، لیبیا تک جا پہنچے جہاں اس آگ میں نہ صرف امریکی سفیر سمیت تین افراد جل کر خاکستر ہوئے بلکہ، امریکی نام سے منسوب ریسٹورنٹ اور سکول بھی راکھ کا ڈھیر بن گئے۔آگ کے شرارے اب ایشائی ممالک تک پھیل گئے ہیں ، پاکستان ، ایران ، افغانستان ، انڈیا ، انڈونیشیا میں بھی یورپین سفارتخانے عموما اور امریکن سفارتخانے خصوصا اس آگ کی زد میں ہیں اور کسی بھی وقت جل کر راکھ ہو سکتے ہیں۔

اس گستاخانہ فلم کے ذریعہ پورے عالَم کا امن وامان تباہ کیا گیا، دہشت گردی کو فروغ دیا گیا۔ دہشت گرد وہ نہیں جو کمزوروں، لاچاروں کی مدد کرتے ہیں، اپنی آزادی کی خاطر گیارہ سال سے بدنام زمانہ عالمی فوجوں کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہیں، اصل دہشت گرد یہ ملعون ہیں جو دنیا کی ایک چوتھائی آبادی کی روحوں کو زخمی کر رہے ہیں، ملکوں میں بسنے والے پرامن شہریوں کے احساسات اور جذبات کی دھجیاں اڑا رہے 57 ہیں۔ عالمی امن وامان کے لیے خطرہ وہ نہیں جنہیں کھانے کے لیے بمشکل دو وقت کی روٹی دستیاب ہوتی ہے، جن کے پاس سنگ مرمر کے محل ہیں، نہ پشت پناہی کرنے والے دنیا کے امیر ترین لوگ، عالمی امن وامان کی فضاء کو مکدر کرنے والے وہ شریر خبیث ہرکارے ہیں جو مہذب اور برگزیدہ ہستیوں کی اہانت کرتے ہیں، جن کے پاس کئی ملکوں میں سونے کے محلات ہیں، جن کی پشت پناہی کرنے والے عالمی امن وامان کے "نام نہاد ٹھیکدار" ہیں۔ امریکہ کی سلامتی کو خطرہ پہاڑوں میں بسنے والے درویش صفت "اجڈ اور گنواروں" سے نہیں بلکہ ان پڑھے لکھے، حواس باختہ بدطینت شرپسندوں سے ہے جو سام باسل، ٹیری جونز، سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین کی صورت میں گیدڑ بن کر امریکن جھونپڑیوں میں چھپے ہوئے ہیں۔ ان ناسوروں کا خاتمہ جہاں عالمی امن وامان کے لیے بے حد ضروری ہے وہیں امریکہ بہادر کی سلامتی کے لیے بھی اہم ہے۔

شیطانی فلم کی آڑ میں عالمگیر مذہب کا تمسخر ہو یا عالمگیر نبی مرسل ﷺ کی توہین، آزادی اظہارِ رائے کی خاطر قرآن مقدس پر مقدمات قائم کرکے جلانے کی مذموم حرکات ہوں یا پھر شعائر اسلامی کی اہانت کرنے کی ناپاک جسارتیں، کفر کی ان سازشوں کا مقابلہ پرامن احتجاج، اشتعال انگیز احتجاج اور توڑ پھوڑ، جلاؤ گھیراؤ سے ہرگز ممکن نہیں ہے، کیوں کہ ثانی صورت سے مسلمانوں کا امیج خراب ہوتا ہے اور اول سے ان ملعونوں کے حوصلے بلند ہوتے ہیں اور وہ اس طرح کے رد عمل کو روایتی عادت اور وقتی جوش پر محمول کرکے نظر انداز کردیتے ہیں، جس سے اور لوگوں کو مذموم حرکات کرنے کا جواز مل جاتا ہے۔ ان ملعونوں کے ناپاک عزائم خاک میں ملانے کے لیے موثر حکمت عملی کے تحت ایسا عالمی قانون وضع کرنا ہے جو ان برگزیدہ ہستیوں پر آزادی اظہار رائے کی آڑ میں سب وشتم کرنے والوں کو لگام دے سکے۔ صرف قانون وضع کرنا ہی ان واقعات کی روک تھام کے لیے کافی نہیں ہوگا بلکہ اس کے عملی نفاذ کی خاطر راستے میں حائل رکاوٹوں کو مکمل طور پر صاف کرنا ہوگا، اس طرح کا قانون وضع کرنا مشکل بھی نہیں، کیوں کہ جب آزادی اظہار رائے کی آڑ لے کر "ہولوکاسٹ" کے خلاف بولنے اور لکھنے پر قانون بن سکتا ہے، تو مقدس ہستیوں اور مکرم شعائر کی توہین کرنے والوں کے خلاف کیوں نہیں بن سکتا؟۔ اس طرح کا قانون بنانا اس وقت تک ناممکن ہے جب تک دنیا میں بسنے والے ڈیڑھ ارب مسلمان باہم متحد و متفق نہ ہوجائیں اور امت مسلمہ کی باگ دوڑ سنبھالے ہوئے عیش پرست نمک خور حکمرانوں کو اغیار کی آغوش سے نہ

کھینچ لیں۔اگر یہ موثر حکمت عملی بروقت استعمال نہ کی گئی تو ڈیڑھ ارب لوگوں کو مطلوب یہ دہشت گرد بے لگام ہو جائیں گے اور ایک دن خدانخواستہ کعبۃ اللہ تک جا پہنچیں گے۔اگر بے گناہ اسامہ کو اتحادِ کفر دہشت گرد قرار دے کر شہید کر سکتا ہے تو امت مسلمہ کیوں نہیں حقیقی دہشت گردوں سے ارض اللہ پاک کر سکتی ہے؟۔ارض وسماء اور اس میں بسنے والے ایک مرتبہ پھر ایوبی، غازی اور چیمہ جیسے خدا کے شیروں کی آمد کے منتظر ہیں جوان دہشت گردوں کو نشانِ عبرت بنادیں۔

غلام احمد بلور کا جذبہ عشق رسول ﷺ

حاجی غلام احمد بلور 25 دسمبر 1939 کو پشاور کے ایک معروف سیاسی اور مالدار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم پشاور سے حاصل کی اور گریجویٹ کی ڈگری جامشورو یونیورسٹی سے لی۔ سیاسی ماحول میں پروان چڑھنے کا اثر تھا یا پھر موروثی سیاست اور خاندانی روایت کا نتیجہ کہ جلد ہی سیاسی سرگرمیوں میں شرکت کرنے لگے۔ پہلی بار بطور یوتھ فاطمہ جناح الیکشن کمپین میں حصہ لیا۔ عملی سیاست کا آغاز 1970ء میں عوامی نیشنل پارٹی کے پلیٹ فارم سے کیا۔ پارٹی میں شمولیت کے تین سال بعد قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں، 1973 اور 74 میں دو بار جیل گئے اور سات ماہ تک جیل کاٹی۔ 1976 میں حکومت مخالف تحریک چلانے پر اپنی پارٹی کے اہم رہنماؤں سمیت دو سال تک سندھ جیل میں قید رہے۔ 1988 میں پہلی بار پشاور عوامی نیشنل پارٹی کے ٹکٹ پر ایم این منتخب ہوئے، پھر مسلسل تین بار رکن قومی اسمبلی نامزد ہوئے اور تین بار فیڈرل منسٹر بنے۔ بیالیس سالہ طویل سیاسی کیریئر میں اے این پی کے نائب صدارت تک پہنچے۔ غلام احمد بلور کو دو مرتبہ وزارت ریلوے ملی، پہلی بار 1991 کی نواز حکومت میں اور دوسری بار 2008 کی گیلانی حکومت میں، جو تاحال ان کے پاس ہے۔ ان کی وزارت کے دوران جو بری حالت محکمہ ریلوے کی ہوئی اتنی کسی اور محکمہ کی پاکستان کی 65 سالہ تاریخ میں نہیں ہوئی ہوگی۔

کی رپورٹ کے مطابق کرپشن اور مالی بے ضابطگیوں کی وجہ سے محکمہ ریلوے2011
تین سالوں میں بیاسی ارب تیس کروڑ کا مقروض ہوا۔خانیوال یارڈ ریلوے الیکٹرک
کیبل کی چوری، کراچی یارڈ ریلوے ائیر کنڈیشنرز کی چوری، سکریپ مال میں بد عنوانی اور
دھوکہ دہی جیسے مذموم واقعات بھی غلام احمد بلور کے دور وزارت یارڈ رونما ہوئے
جس سے ریلوے کو کروڑوں کا خسارہ ہوا۔ 2011 میں جب عوام کی طرف سے
ریلوے کی حالت زار پر شدید احتجاج ہوا تو موصوف نے صدر زرداری کو محکمہ ریلوے
کی بندش کی تجویز دی اور ساتھ ساتھ اپنی نااہلیت اور کرپشن چھپانے کے لیے
افغانستان اور سعودی عرب کو بطور مثال پیش کیا کہ وہاں بھی تو یہ محکمہ نہیں پھر بھی
وہاں کی عوام خوش حال ہے پاکستان میں اگر یہ محکمہ نہیں ہوگا تو کوئی فرق نہیں پڑے
گا۔یہ تجویز منظور ہوئی،نہ عوام کو اطمینان آیا بلکہ اس عجیب وغریب ترکیب کے بعد
موصوف ٹرانسپورٹ مافیا کی سپوٹ کے الزامات کے زد یارڈ بھی آ گئے جس سے تاحال
چھٹکارا نہیں پا سکے۔

حاجی صاحب ذاتی طور لبرل اور سیکولر ذہنیت کے حامل ہیں، مفاد پرستی کی بو بھی ان سے
آتی ہے اور کرپشن اور دیگر برے دھندوں کے داغ بھی ان کے دامن پر ہیں مگر ان سب
قباحتوں کے باوجود ایک سچے دین دار اور عاشق رسول ہیں، کیوں کہ ان کا تعلق اس
غیور اور جنونی قوم سے ہے جو اپنے دین ،ایمان اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت پر
کبھی سودے بازی نہیں کرتی، جو کٹ سکتی ہے لیکن زبان سے نہیں

پھرتی، جو مہمان نوازی اور بہادری میں اپنی مثال آپ ہے۔ پختون خواہ کتنے ہے لبرل اور سیکولر بن جائیں مگر مذہب اور دین کے خلاف ہر گز کوئی بات برداشت نہیں کرتے ،اور جب معاملہ ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو تو پھر شمع نبوت کے تحفظ کی خاطر پروانوں کی طرح نکل آتے ہیں اور جان تک وار دیتے ہیں ۔یہی وجہ ہے کہ دنیا کے امن وامان کو خراب کرنے والے عالمی دہشت گرد نے جب توہین رسالت کے ذریعہ امت مسلمہ کے سینوں کو چھلنی کیا تو اس مردود خبطی کے سر قلم کرنے والے کو ایک لاکھ ڈالر انعام دینے کا اعلان سب سے پہلے بہادر قوم کے اس مردِ قلندر نے کیا جس نے ساری زندگی لبرل اور سیکولر بن کر گزاری ۔ پریس کانفرنس میں اس اعلان کے ساتھ انہوں نے یہ وضاحت بھی کی کہ وہ دانستہ اور ہوش وہواس سے یہ اعلان کررہے ہیں ،اور وہ جانتے ہیں کہ اقدام قتل اور قتل پر اکسانا جرم ہے ، لیکن وہ حرمت رسول کی خاطر یہ جرم کرنے پر تیار ہیں چاہے پھانسی کے پھندے پر ہی کیوں نہ جھولنا پڑے ۔غلام احمد بلور کا یہ اعلان جہاں لائق تحسین اور قابل ستائش ہے وہیں قابل تقلید بھی ہے۔

حاجی غلام احمد بلور کے اس جرات مندانہ اعلان کے بعد امریکہ اور برطانیہ کے ایوانوں میں تو ہلچل مچی ہی مگر ان کے کاسہ لیس نمک خور اور خود کو عاشق رسول کہلانے والے امریکہ نواز حکمرانوں کے تن من میں بھی آگ بھڑک اٹھی ۔وزیر اعظم، قائد ایم کیوایم سمیت تمام سیاسی بازی گروں نے موصوف کی حوصلہ افزائی کی بجائے

مذمت کی جو انتہائی افسوسناک امر ہے۔ اور تو اور خود حاجی صاحب کی پارٹی جس کے لیے انہوں نے قید وبند کی مشقتیں جھیلیں اور اپنی قیمتی زندگی کے بیالیس سال صرف کیے وہ بھی ان کی مخالفت پر اتر آئی ہے اور مختلف انداز میں اپنے آقاؤں کی ناراضگی سے بچنے کی خاطر معذرتی وضاحتیں پیش کرکے اس "وفادار" کی قربانیوں پر پانی پھیرنے لگی لیکن اتنی مخالفت کے باوجود مجال ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس غلام کا قدم، ڈگمگایا ہو اور ہمت وحوصلہ پست ہوا ہو۔ موصوف کے اس بیان سے عالمی امن وامان کے ان نام نہاد ٹھیکداروں کے دوہرے معیار اور دوغلی پالیسیوں کے پول بھی کھلے جو اسامہ بن لادن اور حافظ سعید جیسے امن پسند وں کے سروں کی قیمت لگا کر خود کو عالمی امن وامان کا چمپیئن کہتا ہے اور پوری دنیا میں دہشت گردی کی آگ بھڑکانے والے اس ملعون کی نہ صرف پشت پناہی کرتا ہے بلکہ اس کے قتل پر انعام لگانے والے کو انتہا پسند کہتا ہے۔

افسوس ہے ان پر جو عاشق رسول ہونے کے دعوے بھی کرتے ہیں اور حرمت رسول کی خاطر یومِ عشق رسول بھی مناتے ہیں اور ساتھ ساتھ توہین رسالت کے مجرم کے قتل پر انعام دینے والے کے اعلان کو فساد فی الارض اور اشتعال انگیزی سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ توہین رسالت کرنے والے کا قتل کیوں کر فساد فی الارض کا سبب بن سکتا ہے؟ جب کہ خود محمد مصطفیٰ ﷺ نے گستاخِ رسول کے قتل کا حکم دیا ہو۔ توہین رسالت کے قتل پر انعام مقرر کرنے والا کیسے انتہا پسند ہو سکتا ہے؟ جب کہ

خود رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن اشرف یہودی اور ابو رافع کے قتل پر صحابہؓ کو تیار کیا ہو۔ توہین رسالت کے ملزم کا قتل کرنا یا اس کے قتل پر ابھارنا اور انعام مقرر کرنا فساد فی الارض کا ہر گز سبب نہیں بن سکتا بلکہ یہ اقدام تو فساد فی الارض کے لیے سد باب کا ذریعہ بنے گا۔ خود کو مسلمان کہلانے والے حکمران اور عالمی امن وامان کے ٹھیکدار اس طرح کا طرز عمل کیوں نہیں اپناتے جس سے فسادا لارض کا خاتمہ ہو اور دنیا میں امن وامان قائم ہو؟۔ مسلم امہ کے حکمرانوں کو اور امریکہ کے وفاداروں کو حاجی غلام احمد بلور سے جرات، بہادری اور عشق رسول ﷺ کا والہانہ جذبہ سیکھنا چاہیے تاکہ نبی آخر الزمان ﷺ کی شان میں آئندہ کسی خبیث ملعون کو توہین رسالت کی جرات نہ ہو اور وہ دنیا کے ڈیڑھ ارب مسلمانوں کے سینے چھلنی نہ کرسکے۔ اگر ستاون اسلامی ممالک کے حکمران اور وزراء ناموس رسالت کی خاطر حاجی غلام احمد بلور جیسا اعلان کرکے سٹینڈ لے لیتے ہیں تو بہت جلد توہین رسالت جیسی مذموم حرکات کا سد باب ہو جائے گا۔ لیکن! اگر اب بھی یہ حکمران مفادات کی خاطر منافقت اور چاپلوسی کرتے رہے تو پھر خدا کا عذاب قریب آجائے گا اور اس سے بچنا مشکل ہو جائے گا، کیوں کہ اس کا قانون ہے کہ وہ پہلے ڈھیل دیتا ہے اور پھر پکڑتا ہے اور اس کی پکڑ بھی بہت سخت ہے۔

بے گناہوں کو اژدھوں سے بچایا جائے

دنیامیں مصائب اور تکالیف سے واسطہ ہر انسان کو پڑتا ہے۔ یہ مصائب اور تکالیف انسانی کندھوں پر کبھی تو قدرت کی طرف سے آزمائش اور امتحان بن کر اترتے ہیں اور کبھی بے لگام ظالم کی طرف سے مفادات کے تحفظ اور ہوس کی تکمیل کی خاطر گرائے جاتے ہیں۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ جب بھی وہ اس طرح کی آزمائشوں میں جکڑتا ہے تو ان سے رہائی کی خاطر ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارتا ہے اور نا امیدی کا سامنا کرتا ہے، تھک ہار کر ارض و سماء کے مالک کو پکارتا ہے اور اسے رو رو کر خود پر بیتے اندوہ ناک مظالم کی المناک داستان سناتا ہے، وہ ذات نہ صرف اس کے رِستے زخموں پر مرہم رکھتی ہے بلکہ ان زخموں پر نمک پاشی کرنے والوں کو بھی چن چن کر نیست ونابود کر دیتی ہے۔ یوں باالآخر انسان ان صبر آزما مصائب وآلام اور طالع آزما تکالیف اور مشقتیں سہنے کے بعد راحت، فرحت اور مسرت کے حسین لمحات سے لطف اندوز ہو جاتا ہے، کیوں کہ ارشاد باری باالکل برحق اور سچ ہے کہ "ہر تنگی کے بعد آسانی ہوتی ہے"۔

جمہوریت کے گزشتہ "تاریخی" چار سالوں میں "محب وطن" حکمرانوں نے پینسٹھ سالہ ملکی تاریخ میں خوبصورت اور دیرپا کارنامے تو کجا سرانجام دیے، الٹا دل خراش

اور المناک حادثات اور واقعات کو جنم دیا۔مفاد پرست حکمرانوں کے ان "کامیاب" چار سالوں میں جو حالات ملک پاکستان میں برپا ہوئے وہ نا قابل بیان ہیں۔اس "کامیاب" دور جمہوریت میں ایک طرف کرپشن چھپانے کی غلیظ حرکات کی خاطر عدل وانصاف، مساوات اور رواداری کا فقدان بڑا تو دوسری طرف نا ختم ہونے والے پے درپے داخلی وخارجی مسائل کا جمگھٹا اٹھا۔ایک طرف معصوم شہریوں کے قاتلوں اور قوم کے حقیقی مجرموں کو پروانہ آزادی تھما کر تھپکی دے کر رخصت کیا گیا تو دوسری طرف وطن کے معصوم اور بے قصور شہریوں کو "بہادر دوست" کے خوف اور ڈر سے من گھڑت الزامات کے قلادے پہنا کر اغیار کے ہاتھوں فروخت کیا گیا۔ایک طرف شعائر اسلامی کی توہین کے ذریعہ امت مسلمہ کے دلوں کو زخمی کرنے والے "مسیحاؤں" کو ذہنی اور صغر سنی جیسی فرضی تاویلات کے ذریعہ مظلومیت کا لبادہ پہنا کر عزت افزائی سے رخصت کیا گیا تو دوسری طرف درویش صفت محب اسلام اور معزز لوگوں کو بااثر امریکہ نواز شخصیات کے حکم پر جھوٹی گواہی کے سہارے سلاخوں کے پیچھے دھکیلا گیا۔ خالد جدون نامی درویش صفت امام مسجد کے ساتھ جو برتاؤ منتخب جمہوری نمایندوں کے حکم پر ہوا وہ انتہائی تضحیک آمیز تھا،اس سے نہ صرف منصف اداروں کی کارکردگی پر تنقید کی گئی بلکہ اسلام اور اہل اسلام کا بھی تمسخر اڑایا گیا۔اس نازک کیس میں اصل ملعونہ ملزمہ کو بچانے کی خاطر جو مذموم کھیل

کھیلا گیا وہ پوری دنیا کے سامنے رسوائی کا باعث بنا۔زبردستی جھوٹی گواہی کے ذریعہ جیبیں بھرنے والے وقتی طور پر اگرچہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئے مگر فی الواقع نقصان اور خسران کے حق دار ٹھہرے۔اس واقعہ سے جہاں اسلام مخالف طاقتوں ،اتحاد بین المذاہب کا راگ الاپنے والے ماڈرن بناوٹی مسلمانوں،اور انسانی حقوق کا واویلا کرنے والی تنظیموں کے چہروں سے نقاب اترے وہیں اسلامی لباس میں ملبوس ان امریکہ نواز، نمک خور چاپلوسوں کے چہروں سے بھی غبار اترا اور ان کا دھندلا منافقانہ چہرہ قوم کے سامنے ظاہر ہوا،جو خود کو مسلمان کہتے ہیں اور عاشق رسول ہونے کے بلند و بانگ نعرے لگاتے ہیں مگر اسلام اور پیغمبر اسلام کی توہین کرنے والوں کی نہ صرف پشت پناہی کرتے ہیں بلکہ مکمل تحفظ بھی فراہم کرتے ہیں۔توہین قران کی ملزمہ رمشاء مسیح کی رہائی ہیں جہاں مقتدر اداروں کے بااثر افراد نے سر توڑ کوششیں کیں وہیں خود کو آزادی اظہار رائے سے ملقب کرنے والے دجالی میڈیا اور اس سے منسلک دولت کی پجاریوں نے بھی خاطر خواہ کردار ادا کیا۔پولیس اور تفتیشی افسران کی ملی بھگت سے رمشاء مسیح کی رہائی اور بے گناہ مولوی خالد جدون کی گرفتاری اپنے پیچھے کئی سوالات کا پلندہ چھوڑ گئی۔

ایک طرف عدالت پر انگلیاں اٹھنے لگیں تو دوسری طرف امن وامان قائم کرنے والے قوم کے محافظوں کے بچے کھچے اعتماد کو بھی گھن لگنے لگا۔اس نازک کیس

میں جہاں اور کئی اداروں نے غفلت کا مظاہرہ دکھایا وہیں عدلیہ نے بھی غیر ذمہ داری اور عجلت دکھائی، جس سے عام آدمی یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا ہے کہ آخر دس دس سالوں سے عدالتوں کے دھکے کھانے والے غریب اور مظلوم لوگوں پر بنے بے بنیاد کیسز کو ہر مرتبہ اگلی پیشی کی بھینٹ چڑھا دیا جاتا ہے، مگر توہین قران اور ناموس رسالت کے اس طرح کے نازک کیسوں کا فیصلہ دو ہفتوں ہی میں کیوں سنادیا جاتا ہے؟۔ جاگیر دار اور صاحب اثر لوگوں کی چاپلوسی اور غلامی سے انکار پر اور ذاتی عناد کی خاطر مظلوم عوام کو بند کوٹھڑیوں میں سالہا سال اذیتوں سے دوچار کیا جاتا ہے مگر دین اسلام پر حملہ آور ہونے والے ان سورماؤں کو تحفظ دے کر فوراً پروانہ ءآزادی کیوں تھمادیا جاتا ہے ؟۔ قوم کے خزانے کو بے دردی سے لوٹ کر تجوریاں بھرنے والوں پر اگر مقدمات بنتے بھی ہیں تو چار سال تک داؤ پیچ کی نظر ہوجاتے ہیں، مگر عام آدمی اگر قرض کی ادائیگی بروقت نہ کرسکے تو اس کے گھر تک کو فوراً کیوں نیلام کردیا جاتا ہے؟۔اس میں کوئی شک نہیں کہ موجودہ حالات میں قوم کی امیدوں کا آخری سہارا آزاد اور بااختیار عدلیہ ہے جس نے نہ صرف ملکی سلامتی اور امن وامان کی بالادستی کی خاطر جرات اور بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے قربانیاں دیں، بلکہ وحشی درندوں اور جنگلی بھیڑیوں کو لگام دینے کی خاطر ان کی دشمنی مول لی اور طرح طرح کی مشقتیں برداشت کیں۔آج بھی ملک اور اس کے باسی ان مسیحاؤں کی سہارے کھڑے ہوئے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ بلوچستان کی مظلوم عوام ہو یا دردر پھرنے والے

لاپتہ افراد کے مغموم لواحقین، کراچی میں دہشت گردی کی بھینٹ چڑھنے والے معصوم شہری ہوں یا مہنگائی سے تنگ ملک بھر کی عوام ،سب اپنے اپنے دکھ اور درد سنانے عدالت ہی جاتے ہیں۔ لیکن ان محاسن اور خوبیوں کے باوجود آج بھی کمزور اور مظلوم عوام ان اداروں کے ارد گرد چھپے ضمیر فروش اژدھوں اور آستین کے سانپوں سے ڈسی جارہی ہے۔

خالد جدون جیسے مظلوم بے قصور محب وطن افراد مظالم اور مصائب سہنے کے بعد اگرچہ قانونِ خداوندی کہ "ہر تنگی کے بعد آسانی ہوتی ہے" کی رو سے نجات پا ہی لیتے ہیں مگر سینکڑوں غریب ،ان ظالموں اور اژدھوں کے مظالم اور مفاد پرستی کا شکار ہوتے رہتے ہیں ۔ضرورت اس امر کی ہے کہ بااثر سیاسی شخصیات کے رعب اور دبدبے اور محض چند ٹکوں کی خاطر جھوٹی گواہی دینے والے ان ظالموں اور اژدھوں کا کڑا حساب کیا جائے تاکہ مظلوم عوام کی دادرسی ہوسکے اور آیندہ خالد جدون جیسے بے گناہ لوگوں پر ہونے، والے المناک واقعات کی روک تھام ہوسکے اور شعائر اسلام کی توہین کرنے والے ملعونوں کی مذموم حرکات کو روکا جاسکے۔

ملالہ پر حملہ، ذمہ دار کون ہیں؟

1998 میں وادی سوات کے سرسبز و شاداب پہاڑوں خوبصورت بہتی آبشاروں اور پرسکون ہواؤں میں ایک ننھی کلی نے جنم لیا جس کا نام ملالہ رکھا گیا۔ ضیاء الدین یوسفزئی نامی ایک تعلیم یافتہ پختون کے ہاں قدم رکھنے والی دلیر نڈر بے خوف ملالہ فطرتاً بے پناہ صلاحیتوں کی مالک تھی۔ وہ تعلیم سے شغف بھی رکھتی تھی اور قلم سے محبت بھی' اس میں قوت گویائی کا ملکہ بھی تھا اور انسانی کھوپڑیوں کو پڑھنے کا سلیقہ بھی تھا' اسے مظلوموں اور حاجت رواؤں کی دستگیری اور اشک جوئی کا شوق بھی تھا اور ظالموں کے خلاف صدائے حق بلند کرنے کا جذبہ اور عزم بھی تھا' وہ پرامن پرسکون معاشرہ کی دلدادہ بھی تھی اور ایماندار محب وطن سیاستدانوں کی خیر خواہ بھی تھی۔ وہ زندگی میں کچھ کرنا چاہتی تھی جس کے لیے قدرت نے اسے صلاحیتیں بھی دے رکھیں تھیں اور وسائل کے انبار بھی عطا کر رکھے تھے۔ والد سکول کے پرنسپل اور قوم کو انصاف فراہم کرنے والے روایتی سواتی جرگہ کے ترجمان تھے۔ ان حالات میں ملالہ کو اپنے عزائم مکمل ہوتے نظر آتے تھے لیکن چالاک یاروں کی چالبازی اور بدنام زمانہ دنیاوی آقاؤں کی فرمانبرداری اور اپنوں کی غداری نے ملالہ کے پرسکون پرامن سوات میں امن امان کے بے بنیاد شوشے اور من گھڑت مفروضوں پر اندھا اعتماد کرکے آگ و خون کا ایک ہولناک منظر

تشکیل دے دیا جس میں ننھی پری کے پر بھی جھلس کر بھسم ہونے لگے اور اس کے حسین خواب بھی پراگندہ ہونے لگے ۔ ننھی ملالہ اپنے شہر میں غیروں کے اشاروں پر لگائی گئی آگ کو دیکھ کر دن رات ملال کھاتی ، مگر بزدلی کم ہمتی اور سستی اس کے نزدیک خود کشی تھی چنانچہ اس نے اس وحشت ناک منظر یوں بھی مشعلِ علم اٹھائے اپنا سفر جاری رکھا اور اپنی تعلیم میں رکاوٹوں کو ڈھانے کے لیے قلم کی قوت کو اپنائے رکھا۔

2009 ء میں اس نے بی بی سی پر گل مکئی کے فرضی نام سے اپنے خوبصورت شہر میں ہونے والے المناک مظالم کی داستان لکھنا شروع کی جس میں نہ صرف وہ اپنی تعلیم کی راہ میں حائل رکاوٹوں کا ذکر کرتی بلکہ اپنی جیسی سینکڑوں معصوم کلیوں کے عظیم راستے میں بچھے ہوئے کانٹوں کا رونا بھی روتی ۔ملالہ کی معصومیت شجاعت صلاحیت کو دیکھ کر اسلام مخالف قوتوں سے رہا نہ گیا اور وہ اس کے قلم سے نکلے ہوئے "شہ پاروں" کو اپنے ظلم وجبر سے لت پت مکروہ چہرے پر نقاب کی جگہ استعمال کرنے لگے ، چنانچہ پیر سولہ جنوری 2009 کو اس کے قلم سے اسلامی شعائر کی تضحیک پر مبنی دل خراش جملے بی بی سی کے لیے زیب قرطاس بنتے ہیں جس میں سنت رسول سجانے والوں کو فرعونوں اور برقعہ زیب تن کرنے والی حوا کی بیٹیوں کو پتھر کے زمانے میں بسنے والے گنواروں سے تشبیہ دی جاتی ہے ۔یوں رفتہ رفتہ وہ دنیا کی آنکھوں کا تارہ بن جاتی ہے اور اسے گیارہ سال کی عمر

میں دنیامیں قیام امن کی خاطر کوششیں کرنے والے 245 ممالک کے بچوں میں سے " انٹر نیشنل چلڈرن پیس ایوارڈ کے " لیے نامزد پانچ بچوں کی فہرست میں جگہ دے دی جاتی ہے۔ لیکن بد قسمتی سے قیام امن کے یہ مغربی ٹھیکدار تو انعام دے نہیں سکتے مگر ان کے گدی نشین مشرقی حکمران "ملکی قومی امن" انعام کی مد میں پانچ لاکھ کا عطیہ دے کر اس معصوم کے "حوصلوں" کو سہارا دے دیتے ہیں۔ اس ایوارڈ کے بعد پہاڑوں میں بسنے والی ملالہ کا تذکرہ زبان زد عام ہو جاتا ہے ، دجالی میڈیا اس پر دستاویزیں فلمیں بناتا ہے انٹرویوز لیتا ہے تاکہ فساد فی الارض کرنے والے عالمی مجرموں کو بے گناہ باور کرایا جائے اور انہیں عالمی امن وامان کا چمپئین مانا جائے ، یہی وجہ تھی کہ 2011 میں پاکستان کے معروف لینکر پرسن نے ملالہ سے عجیب سوال کیا کہ آپ کا سیاسی رول ماڈل کون ہے؟ جواب میں نہ معلوم کس نے ان کی زبان پر یہ ورد جاری کروایا، کہ وہ دنیاجہاں کے غنڈوں کے سردار اوبامہ کو اپنا آئیڈیل کہہ بیٹھیں' جس کے بعد اس معصوم کے گرد خوف و دہشت کے سیاہ بادل منڈلانے لگے اور اس کی حیات تنگ ہونے لگی ۔ باالاخر وہ 9 اکتوبر 2012 کی دوپہر کو انہی" خیر خواہوں "کی مفاد پرستی کا شکار ہو گئی اور بزدل درندوں نے اس صنف نازک پر اپنا ہاتھ صاف کر دکھایا مگر" جسے خدا رکھے اسے کون چکھے "کی مصداق بہادر ملالہ پر یہ وار کامیاب نہ ہوا اور وہ اکھڑی سانسوں کو پرسکون سانسوں میں بدلنے کی تگ دو میں لگی ہوئی ہے۔

ملالہ پر حملے کے بعد پوری دنیا سکتے میں آ گئی ،اوبامہ سے لے کر بان کی مون تک، ہیلری کلنٹن سے حامد کرزئی تک ہر کوئی اپنے اس قیمتی "اثاثے" پر رہزنی کرنے والوں کی مذمت کر رہا ہے اور اسے دہشت گردی اور غنڈہ گردی قرار دے رہا ہے۔ صدر زرداری سے لے کر آرمی چیف کیانی تک ہر ایک اس المناک واقعہ پر غم زدہ ہے اور موٹے موٹے آنسو بہا رہا ہے۔ یہ واقعہ یقیناً بزدلانہ کاروائی اور مذموم حرکت ہے کوئی محب وطن اور محب اسلام اس طرح کی نیچ اور گھٹیا حرکت کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا، مگر کیا ملالہ جیسی سینکڑوں ملالاؤں پر دن دیہاڑے ڈرون مار کر ان کے نرم ونازک اجسام کے پرخچے اڑانا قابل مذمت اور لائق تذلیل نہیں؟ کیا قیام امن کی خاطر جدوجہد کرنے والے اور علم وآگہی پھیلانے کی خاطر چٹائیوں پر بیٹھنے والے درویش صفت بزرگوں اور معصوم بچوں پر بم برسانا رہزنی اور ڈاکہ زنی نہیں؟ کیا جنوبی وزیرستان، خیبر ایجنسی مالاکنڈ اور کرزئی جیسے پرامن علاقوں میں بسنے والے ہزاروں بے گناہوں کو گھربار سے محروم کرنا دہشت گردی نہیں؟ کیا ہوس کے پجاریوں کو مظلوم بے گناہ عافیہ پر ہونے والے المناک مظالم غم زدہ نہیں کرتے؟ کیا کراچی اور بلوچستان میں ٹارگٹ کلنگ کا شکار ہونے والے بے قصور پاکستانیوں کی اموات پر ان کے لواحقین کی آہیں اور دھاڑیں حکمرانوں کے دل ودماغ پر اثر نہیں کرتیں؟ کیا میڈیا کو ڈرون حملوں میں مرنے والے بے گناہوں کی داستانِ الم سنائی نہیں دیتیں؟ کیا ملالہ جیسی ننھی کلیوں کو مفادات کی خاطر استعمال

کرنے والے مجرم نہیں؟یقینا یہ سب مجرم ہیں !ملالہ کے اصل مجرم یہی ہیں جنہوں نے اس معصوم کے لہو سے اپنی پیاس بجھانے کی خاطر اسے اسلام مخالف ،طالبان مخالف دشمن بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا اور اسے عالمی دہشت گردوں کے مکروہ دھندوں پر پردہ ڈلوانے کی خاطر استعمال کیا۔اس معصوم پر ڈاکومنٹریاں بنانے والے اور ٹاک شوز سجانے والے دجالی میڈیا کے آلہ کار بھی اس میں برابر کے شریک ہیں ۔ مینگورہ کی ملالہ پر ہونے والے حملے میں وہ بے حس بے فکر اور جاہل لوگ بھی ملوث ہیں جو اسلام کو بد نام کرنے کی خاطر ہر ظلم و ستم کی کڑیاں طالبان نائزیشن سے جوڑ دیتے ہیں ،جو قدرتی حادثات کی ذمہ داری بھی اسلام پسندوں کے سر تھونپ دیتے ہیں ،جو سوات کے پر امن علاقوں میں جعلی ویڈیو کی بنا پر دفاعی طاقت کو غیروں کی آگ میں دھونس دیتے ہیں ۔بے شک اصل مجرم یہی ہیں جو ننھی ملالہ پر مگرمچھ کے آنسو بہا رہے ہیں ،روایتی مذمتی بیانات سے سادہ لوح عوام کو گمراہ کر رہے ہیں ۔ ہمیں ان درندوں سے نجات حاصل کرنا ہوگی اور ان کے مذموم عزائم کی کھوج لگانی ہوگی تاکہ یہ آئندہ کسی معصوم ملالہ کو مفاد پرستی زر پرستی اور مکروہ دھندوں کی بھینٹ نہ چڑھا سکیں اور اسلام اور اہل اسلام کو بدنام نہ کر سکیں ،اسی میں ہماری بقاء ہے ۔

فضائل محرم اور بدعات محرم

جب سے زمین کا سبزہ زار فرش اور آسمان کی نیلگوں چھت تیار ہوئی تو یہ بات نوشتہ دیوار پر لکھ دی گئی تھی کہ صبح وشام کی تبدیلیوں ،شب وروز کے الٹ پھیر، گھنٹوں منٹوں اور سیکنڈوں کے ہیر پھیر سے جو مہینے وجود میں آتے ہیں وہ بارہ ہیں۔چنانچہ اس حقیقت کو خالق کائنات نے اپنی آخری کتاب میں یوں بیان فرمایا۔ان عدۃالشھور عنداللہ اثنا عشر شہراًفی کتاب اللہ یوم خلق السمٰوات والارض (التوبہ): (مہینوں کی گنتی بارہ ہے اللہ کی کتاب (اللہ کے حکم) میں جس دن پیدا کیے آسمان وزمین)۔ان بارہ مہینوں میں سے چار مہینے ایسے ہیں جو فضیلت اہمیت عبادت مغفرت اور حرمت کے لحاظ سے خاص مقام رکھتے ہیں ،اور وہ یہ ہیں ذیقعدہ ،ذی الحجہ ، محرم الحرام ،رجب ۔ان مہینوں کے محترم ہونے کا مطلب ہے" لاتظلموفیھن انفسکم " کہ ان مہینوں میں قتل وقتال ، فتنہ فساد اور گناہوں کے ذریعہ اپنے جانوں پر ظلم نہ کیا جائے اورامن عامہ کی خرابی کا ذریعہ بننے والے کاموں سے اجتناب کیا جائے ۔ان مہینوں کا احترام طلوع اسلام سے پیشتر بھی کیاجاتا تھایہی وجہ تھی کہ جاہلیت کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں بھی ان مہینوں کی آمدکے وقت تلواریں نیام میں کرلی جاتیں، معمولی باتوں پر سالہا سال کی نا ختم ہونے والی لڑائیوں کوروک دیاجاتااور سال بھرکے گھٹیا وخسیس کاموں کوترک کردیاجاتا تھا۔

ان حرمت والے چار مہینوں میں ایک مہنیہ محرم الحرام بھی ہے۔ یہ مہینہ بہت فضائل اور برکات کا حامل ہے۔

فضائل محرم:

اس مہینے سے نئے اسلامی سال کا آغاز ہوتا ہے۔اس کی فضیلت اس لحاظ سے بھی ہے: ا کہ یہ سن ہجری کا پہلا مہینہ ہے۔ سن ہجری اپنے معنی و مفہوم کے اعتبار سے ایک منفرد حثیت کا حامل ہے کیوں کہ دوسرے مذاہب ہیں جو سن رائج ہیں وہ یا تو کسی شخصیت کے یوم ولادت کی یاد دلاتے ہیں یا کسی قومی مسرت وشادمانی کے خاص واقعہ کی ترجمانی کرتے ہیں۔ جیسے سن عیسوی اور سن رومی جو حضرت عیسیٰؑ اور سکندر اعظم کی ولادت کی یاد دلاتے ہیں اور ہندؤں کے بکرمی سن کی بنیاد راجہ بکرماجت کی ولادت پر ہے اور یہودی اپنے سن کی بنیاد حضرت سلیمانؑ کے فلسطین پر تخت نشینی کے ایک پر شکوہ واقعہ پر رکھتے ہیں۔ نسل انسانی کو ان سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا لیکن اسلامی سن ہجری عہد نبوی کے ایسے عظیم الشان واقعہ کی یادگار ہے جس سے دین اسلام کو عروج ملا کفر وشرک کا زوال شروع ہوا۔ واقعہ ہجرت دین اسلام کی خاطر مشقتیں سہنے والے ان عظیم لوگوں کی یاددہانی بھی کراتا ہے جن کو خدا نے رضی اللہ عنہم ورضوعنہ کے لقب سے سرفراز فرمایا۔ شاعر اس عظیم واقعہ کو یوں تعبیر کرتا ہے:

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

گاہے گاہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را

یعنی اے مسلمانو! اگر تم اپنی تاریخ اور اپنے اسلاف کی قربانیوں کو یاد رکھنا چاہتے ہو تو ہجرت کے اس تاریخی قصہ کو یاد رکھو اور اس سے سبق سیکھو۔

اس مہینہ میں برے کاموں کا گناہ عام دنوں کی بنسبت دوگنا ہو جاتا ہے اور اس میں : ۲ کیے جانے والے نیک اعمال کا ثواب بھی خوب بڑھا چڑھا کر دیا جاتا ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اس مہینہ کی دسویں تاریخ یعنی یوم عاشورہ کے دن روزہ رکھے تو مجھے اللہ سے قوی امید ہے کہ وہ اس کے گزشتہ گناہوں کو مٹادے گا (ترمذی) ۔ عاشورہ کا یہ روزہ رمضان کے روزوں سے پہلے فرض تھا بعد میں اس کی فرضیت منسوخ ہو گئی لیکن سنت اور مستحب اب بھی ہے چنانچہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو دیکھا کہ یہود اس دن روزہ رکھتے تھے آپ نے پوچھا کہ تم اس دن کیوں روزہ رکھتے ہو تو انہوں نے کہا کہ یہ ہماری نجات کا دن ہے اس دن اللہ نے حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دلائی تھی اور حضرت موسیٰؑ نے اس دن شکرانے کے طور پر روزہ رکھا تھا، آپ نے فرمایا موسیٰؑ کے ساتھ ہم تم سے زیادہ موافقت رکھنے کے حقدار ہیں چنانچہ اس دن آپ نے روزہ رکھا اور صحابہ کرامؓ کو بھی حکم دیا لیکن مشابہتِ یہود سے بچنے کے لیے آپ نے فرمایا کہ اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو محرم کی نویں اور دسویں کو روزہ رکھوں گا لیکن آپ آئندہ سال حیات نہ رہے

چنانچہ صحابہ کرامؓ نے اس پر عمل کیااور نو اوردس کو روزہ رکھا۔(بخاری ومسلم واحمد)
۔

۳: محرم کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ یوم عاشورہ کو اپنے اہل وعیال پر کھانے پینے میں فراخدلی کرنے والوں کے لیے حدیث پاک میں پورے سال کے نفقہ میں وسعت کرنے کی خوشخبری سنائی گئی،ارشاد ہے: من وسع علی عیالہ فی النفقۃ یوم عاشوراء وسع اللہ علیہ سائرسنۃ(مشکوۃ،ص 170، بیہقی فی شعب الایمان ص365)۔

بدعات ورسومات محرم:

واقعہ کربلاتاریخی سانحہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے پچاس سال بعد رونما ہوا،حضرت حسینؓ نے اپنے نانا کے دین کی حفاظت کی خاطر جان دے کر دنیا کو پیغام دیا کہ حق کی خاطر جان کے نذرانے پیش کرنے پڑیں تو گریز نہ کیاجائے۔شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے اس المناک سانحہ کی یوں تصویر کشی کی ہے:

غریب وسادہ ورنگین ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؓ،ابتدا ہے اسماعیل

اس المناک سانحہ کے بعد ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ شہداء کربلاء کی قربانیوں کی لاج رکھی جاتی اوران کے نقش قدم پر چل کر دین اسلام کی حفاظت کی خاطر جدوجہد کی جاتی کیوں کہ: ان المحب لمن یحب مطیع (یعنی جس سے محبت کی جاتی ہے تو اس کی اطاعت بھی ضرور کی جاتی ہے)۔

مگرافسوس ! جس دین کی حفاظت کی خاطر حضرت حسینؓ نے جام شہادت نوش کیا اسی دین میں بگاڑ پیدا کر دیا گیا اور اس میں ایسی عجیب وغریب بدعات ورسومات کو ایجاد کیا گیا جن پر ارض وسماء بھی اشک بہاتے ہیں اور شہدائے کربلا کی روحیں بھی تڑپ اٹھتی ہیں ۔چنانچہ ہلالِ محرم کے نظر آتے ہی ہر طرف سیاہ جھنڈوں اور سیاہ کپڑوں میں ملبوس شیطانی کارندوں کے دھڑے لگنے شروع ہو جاتے ہیں۔جوں جوں یوم شہادتِ حسینؓ قریب آتا ہے بدعات وخرافات بڑھتی جاتی ہیں ، کہیں تابوت وتعزیے نکالے جاتے ہیں تو کہیں نوحے اور شرک وبدعات سے پراگندہ شیطانی ماتمی مجالسیں منعقد کی جاتیں ہیں ، کہیں بے حجاب عورتیں سڑکوں پر دندناتی پھرتی ہیں تو کہیں باؤلے بندر نماانسان ننگے پاپوش کے سرگرداں پھرتے ہیں ، کہیں سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے من گھڑت قصہ خوانیاں کی جاتی ہیں تو کہیں نیازِ حسین کی خاطر سبیلیں لگائی جاتی ہیں (حالانکہ اس دن تو روزہ رکھنا سنت اور مستحب ہے)۔ان شیطانی کارندوں کی بدعات ورسومات کا زہریلا اثر عام مسلمانوں کو بھی متاثر کرنے لگا ہے اور وہ بھی ان کی ماتمی مجلسوں اور

تعزیوں کی نمائش میں شریک ہونے لگے ہیں (حالانکہ یہ سب بدعات ہیں اور سراسر ناجائز ہیں)۔اسی طرح دس محرم کو حلوے کھیر اور حلیم کی دیگیں پکائی جاتی ہیں، قبرستانوں میں مرد وزن کا اختلاط کیا جاتا ہے اور شیرنیاں تقسیم کی جاتی ہیں (حالانکہ قبروں کی زیارت کا حکم اس لیے دیا گیا تاکہ وہاں جا کر فکر آخرت پیدا کی جائے، ظاہر ہے اس طرح کے ماحول میں فکر آخرت تو کجا الٹا بے فکری اور دین سے دوری بڑھتی ہے) ۔بدعات محرم میں سے ایک خاص بدعت جس کا شکار اکثر مسلمان بھی ہیں وہ اس مہینہ میں شادیاں نہ کرنا ہے، جب کہ شریعت میں اس طرح کی قطعاً کوئی ممانعت نہیں ہے ۔یہ سب بدعات اور من گھڑت خرافات ہیں جن کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے اوران بدعات کا وبال گمراہی ہے، حدیث میں ہے کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النا: مشکوۃ) ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جاتی ہے۔)

:دعوتِ فکر

بحثیت مسلمان ہونے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کے ناطے ہم سب پر فرض ہے کہ آپ کے مبارک اسوہ حسنہ کو اپنائیں، شریعت مطہرہ اور اسلامی احکامات کے مطابق اپنی زندگیوں کو گزاریں اور روز مرہ اور مخصوص ایام میں برسنے والی رحمتِ الٰہی کی بارشوں سے فیض یاب ہوں۔دین میں جدت پسندی من مانی مفاد پرستی اور سستی کاہلی سے بچیں اور نئی نئی بدعات ورسومات سے

کنارہ کشی اختیار کریں۔اور

حج بھی کیا کعبہ کا اور گنگا کا اشنان بھی

راضی رہے رحمان بھی خوش رہے شیطان بھی

والے طرز عمل سے کام نہیں بنے گا اور زندگیوں میں مکمل سکون واطمینان کبھی نہیں ملے گا۔ہمارے لیے موقع ہے کہ ہم محرم الحرام کے فضائل وبرکات سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہوں اور خلاف شریعت کی جانے والی تمام برائیوں سے لازمی اجتناب کریں۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا تقاضا بھی یہی ہے کیونکہ محب محبوب کی ہر حالت میں اور ہر کام میں اطاعت کرتا ہے۔

قوم کی بیٹیوں میں تفریق کیوں؟

عدل و انصاف جل تھل ہوگیا، شرم وحیا اٹھ گئی، اقدار، غیرت وحمیت جاتی رہی، مکر وفریب اور دھوکہ دہی عادت بن گئی، مفادات، خواہش پرستی اور زر طلبی نے ہوش ہوا کر دیئے، جاہ و اقتدار کے نشے نے شرافتِ انسانی کو تار تار کر دیا، انسانی آقاؤں کی خوشنودی کی خاطر صنفِ نازک کی عصمت دری کو حلال سمجھا گیا، معصوم بے گناہ حوا کی بیٹی کی سسکیوں اور چیخوں کو بھلا کر محمد بن قاسم جیسے غیور مسلمانوں کی روحوں کو تڑپایا دیا گیا۔ بھلا کوئی ادنی سا شخص ماں بہن بیٹی کی طرف میلی آنکھ برداشت کر سکتا ہے؟ کیا کوئی ان کی آبرو ریزی پر خاموش تماشائی بن سکتا ہے؟ کیا کسی قوم کے معزز امراء وزراء سلاطین اور نگہبان قوم کی بیٹیوں کو اغیار کی سلاخوں کے پیچھے دیکھ کر چپ رہ سکتے ہیں؟ کیا کسی مہذب معاشرے میں ایک معصوم بیٹی پر ڈھائے جانے والے اندوہناک مظالم پر لوگ اطمینان اور چین سے زندگی بسر کر سکتے ہیں؟ کیا باشعور قوم اپنی بیٹیوں میں "ملالہ اور عافیہ کی طرح " تفریق کر سکتی ہے؟ بیٹی کسی کی ہو، کوئی بھی ہو جیسی بھی ہو پر وہ عزت ہوتی ہے اور عزت کی خاطر انسان مر تو سکتا ہے مگر جھک نہیں سکتا، غیور لوگوں اور زندہ قوموں کا یہی شیوہ رہا ہے۔

مگر! افسوس ایک پاکستانی قوم ہے جو تہذیب وتمدن ،اقدار وروایات ،غیرت وحمیت سے اب تک کوسوں دور ہے۔یہ واحد قوم ہے جو پینسٹھ سال سے بجائے ارتقاء کے انحطاط کا شکار رہے۔یہ وہ قوم ہے جو ہر بار اژدھوں سے ڈسی جاتی ہے پھر بھی انہی کو اپنا پیشوا بناتی ہے اور سرور دوجہاں رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان مبارک ' مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈساجاتا" کو پس پشت ڈالے ہوئے ہے۔یہی وہ قوم ' ہے جو آزادی سے لے کر اب تک سینکڑوں مظالم اور حادثات کا شکار ہوئی مگر دو چار دن رسمی احتجاج اور روایتی بیان بازی سے آگے نہ بڑھ سکی۔یہی وہ قوم ہے جس کے مسلط کردہ حکمرانوں نے انہی کے خون پسینے سے کمائی گئی حلال کمائی کو سات نسلوں کے لیے ذخیرہ کرکے دشمنوں کے دامن میں گروی رکھا ہوا ہے ،اور یہ اب تک اس ظلم کا احتساب نہیں کر سکی ۔یہی وہ قوم ہے کہ جس پر اپنے ہی ملک کی زمین تنگ کردی گئی اور رہنے کے لیے امن وامان کی فضاء مکدر کردی گئی ،دو وقت کی روٹی اتنی مشکل کر دی گئی کہ اس کے باشندے خودکشیوں پر مجبور ہوگئے ،بجلی پانی گیس حتیٰ کہ بنیادی ضروریاتِ زندگی سے محروم کردیاگیا،مگر پھر بھی یہ ان کھوٹے سکوں پر اعتماد کیے ہوئے ہے۔یہ وہ قوم ہے جس کے پیسوں پر حکمران بیرونِ ملک دوروں پر ہجوم یاراں لے جاتے ہیں اور کروڑوں روپیے بے دردی سے لٹا دیتے ہیں،اور ان کے سروں پر جوں تک نہیں رینگتی۔یہ پاکستانی قوم ہی ہے کہ جسے وقت پر انصاف ملتا ہے نہ ظلم کا بدلہ بلکہ سالوں سال عدالتی دربانوں کی خاک چھاننی پڑتی ہے۔یہی وہ قوم

ہے جس کا کوئی کام بغیر طمع ولالچ کے نہیں ہوتا، جس کے سرکاری ادارے رشوت خوری کے گند سے لت پت ہیں، جس کے تعلیمی اداروں میں معیار تعلیم پچاس فیصد بھی نہیں ہے۔ یہ بھی پاکستانی قوم ہے جس کے روزانہ درجنوں آدمی دن دیہاڑے مار دیے جاتے ہیں اور یہ حساب تو کجا احتساب بھی نہیں کر سکتی، ظالموں اور قاتلوں میں فرق نہیں کر سکتی۔

اور یہ بھی ایک پاکستانی قوم ہے جس کی ایک تعلیم یافتہ بیٹی عافیہ صدیقی کو اپنی ہی زمین سے اٹھا کر دشمنوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے اور کئی برس تک اس "زندہ" اور "باشعور" قوم کو خبر تک نہیں ہوتی کہ آخر اسے زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا؟۔ پھر جب غیروں کے جگانے پر کچھ بھنک پڑتی ہے تو بے سود جاتی ہے، تبھی اس معصوم کو بِنا کسی ثبوت کے چھیاسی سال قید کی سزا سنا کر تاریخِ انسانیت کے ظلم کی انتہا کر دی جاتی ہے اور یہ قوم چند دن کے رسمی اور روایتی احتجاج کے بعد محوِ سکوں ہو جاتی ہے اور ان کے مسلط کردہ چاپلوس حکمران بھی وقتی غیظ وغضب کم کرنے کے لیے جگالی کرتے ہیں اور پھر منہ سی لیتے ہیں۔ اب تو نوبت یہاں تک آن پہنچی کہ طبقاتی تفریق کا ناسور معصوموں کی داد رسی کو بھی کھانے لگا ہے، اور ایک ہی مملکت اور ایک ہی قوم میں بسنے والی ملالہ اور عافیہ کے درمیان ایک چٹان حائل کر دی گئی۔ ایک کی خاطر فرانس میں مملکتِ پاکستان اور یونیسکو کے تعاون سے کانفرنس کا انعقاد کیا

جاتا ہے اور قوم کے خزانے میں سے ایک کروڑ ڈالر تک "ملالہ" کی نذر کر دیے جاتے ہیں، جب کہ دوسری طرف مظلوم "عافیہ" کی آزادی کے لے ایک کاغذ کا ٹکڑا لکھنے کی بھی زحمت نہیں کی جاتی ،ایک طرف وزیر داخلہ سے لے کر صدرِ" محترم" تک عیادت کے بہانے گلدستوں سمیت جا کر سلامی دیتے ہیں تو دوسری طرف دس سال سے رِستے زخموں کے کرب والم میں مبتلا عافیہ کی خاطر پھول بھجوائے جاتے ہیں ،نہ کسی سرکاری کارندے کو محض دل جوئی کی خاطر امریکہ روانہ کیا جاتا ہے۔ ایک طرف ملالہ کے لیے دخترِ پاکستان" کا بل پاس کروایا جاتا ہے تو دوسری طرف مظلوم عافیہ کی خاطر ایک" اجلاس تک نہیں بلایا جاتا۔ ایک کے والد کو بطور معاوضہ اقوام متحدہ میں فروغِ تعلیم کا مشیر بنا کر آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیا جاتا ہے تو دوسری معصوم کی بزرگ ماں کو خوشی کی خاطر عافیہ نہیں دی جاتی۔

اسی منافقت ،دوغلے پن اور تفریق کی وجہ سے پاکستان اور اس میں بسنے والے کروڑوں انسانوں کی جگ ہنسائی ہو رہی ہے اور اقوامِ عالم کی نظر میں پاکستان کا معیار مسلسل گر رہا ہے ،جس کی وجہ سے دشمن' پاکستان کے وجود کو مٹانے کی خاطر سازشوں کے جال بن رہا ہے اور پاکستان کو ناکام اسٹیٹ ثابت کرنے کے پر تول رہا ہے۔ حکمرانوں کے مکر وفریب ،دوہرے معیار،اور پاکستانی قوم کی بے حسی ،بے اعتنائی اور غفلت ہی کا نتیجہ ہے کہ اس معصوم کی مدد کے لیے دیارِ غیر

سے چار وفود گاہے بگاہے ہمارے دروازے پر دستک دینے آ گئے، جس میں بشمول سینیٹرز اور سابق امریکی صدارتی امیدوار کے' امریکن وومن کانگریس کی چھ مرتبہ منتخب ہونے والی سنتھیا میکینی اور عافیہ صدیقی کی وکیل ٹینا فوسٹر بھی ہے۔ان وفود کا آنا پاکستانی حکمرانوں کے منہ پر طمانچہ ہے کہ جو عہد تو ملک وملت اور رعایا کے حقوق کے تحفظ کا کرتے ہیں، مگر حال یہ ہے کہ ایک معصوم عافیہ صدیقی کو دشمن اغوا کرلیتا ہے اور یہ مکار اس کی رہائی کے لیے ذرا سی سنجیدہ کوشش نہیں کر سکتے۔اسی طرح ان لوگوں کا آنا پاکستانی قوم کے لیے بھی ایک طعنہ ہے کہ" تم کہنے کو تو اسلام جیسے عالمگیر مذہب کے پیروکار ہو اور عمر بن خطابؓ جیسے عادل حکمران کے نام لیوا ہو اور خالد بن ولیدؓ اور سلطان صلاح الدین ایوبیؒ جیسے بہادر مجاہدوں کے نغمہ خواں ہو" مگر تمہاری یہ حالت ہے کہ تم اپنی ایک بہن کو انصاف نہیں دلا سکتے، اپنے حکمرانوں سے اس کی آزادی کی خاطر پوچھ نہیں سکتے اور اس مظلوم کی خاطر اپنی جان فدا نہیں کر سکتے ؟کیا تمہارے آباؤ اجداد کی روایت اسی طرح چلی آ رہی ہے؟۔

قانونِ الٰہی تو یہی ہے کہ وہ مظلوم کی پکار پر خود لبیک کہتا ہے۔وہ چاہے تو ایک مچھر سے نمرود جیسے ظالم وجابر کا کام تمام کرادے، وہ چاہے تو ابابیلوں کے ذریعے بدمست ہاتھیوں کے گروہوں کو نیست ونابود کردے وہ چاہے تو فورا عافیہ صدیقی کی رہائی کا بندو بست کردے، مگر اس وقت حکمرانوں کی منافقت

تفریق اور ہماری بے حسی، لاپرواہی اور غفلت کا کڑا حساب ہوگا، اور جب حساب شروع ہوگیا تو پھر عافیت محال ہے۔ پس ضرورت ہے! متحد ہونے کی، جاگنے کی، دل میں دردِ انسانیت کا احساس پیدا کرنے کی اور اس کی قدر و منزلت پہچاننے کی اور اپنے آپ کو بدلنے کی، اور یہ سب ممکن ہے! بس عزم و ہمت مطلوب ہے، پھر منافقت رہی گی، نہ طبقاتی تفریق، دھوکہ دہی اور کرپشن کی شکایت ہوگی، نہ امن و امان، دہشت گردی اور مہنگائی جیسے بے تحاشا مسائل کا سامنا ہوگا، عدل و انصاف کی خاطر عدالتوں کے دھکے کھانے کی حاجت ہوگی، نہ مظلوم عافیہ صدیقی کی پکار کی خاطر دیارِ غیر سے اغیار کے آنے کی پشیمانی ہوگی، پاکستان کے خلاف سازشیں کرنے کی ہمت ہوگی، نہ اسلام اور اہلِ اسلام پر انگشت اٹھانے کی جرات ہوگی، کیوں کہ ارشاد باری ہے کہ "اللہ اس قوم کی حالت نہیں بدلتے جو اپنی حالت خود نہ بدلے"۔ عافیہ صدیقی کی پکار بھی یہی ہے۔

دینی مدارس میں مخلوط تعلیم خواب یا حقیقت؟

کچھ دنوں سے اہلِ علم حضرات دورِ جدید کے نت نئے تقاضوں سے ہم آہنگ، "مروجہ جدید تعلیم اورمدارس میں رائج نبوی تعلیم "کے اختلاط کے پیش نظر انتہائی اہم اور قابلِ عمل تجاویزاور اصلاحات نہایت مدلل اور مثبت انداز میں پیش کر رہے ہیں،ان حضرات کی یہ تجاویزیقیناً خلوص نیت پر مبنی ہیں جن پر غور وفکر کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے تاکہ مسلمان پھر سے اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر سکیں۔اس میں قطعاً دو رائے نہیں کہ' دنیا کی موجودہ چکاچوند کرنیں،بلند وبالاپر کشش عمارتیں، مہینوں کی طویل اور کٹھن مسافتوں کا گھنٹوں اور دنوں میں طے ہوجانا، اور انسانیت کی بروقت طبّی مدد کے ذریعے کروڑوں انسانوں کودوبارہ نئی زندگیاں مل جانااورحیاتِ انسانی کو موم کی طرح اس قدر آسان بنا دیناکہ اگر ایک صدی قبل کے انسان زندہ ہوں تووہ بھی دنگ رہ جائیں' دورِحاضر کی یہ سب محیر العقول کرشماتی تبدیلیاں جدید تعلیم ہی کا مرہون منت ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمان قوم ہر طرح کے علوم وفنون کی بانی رہی ہے،آج یورپ جن کندھوں کے سہارے آسمانوں تک پہنچا ہے وہ کندھے انہی مسلمانوں کے ہیں جن کی محنت، تعلیم وتعلم،راست گوئی اور بہادری کا طوطی پوری دنیا میں

بولتا تھا۔ دورِ حاضر کی نت نئی ایجادات کا کریڈٹ بھی درحقیقت مسلمانوں ہی کو جاتا ہے جن کی پکی پکائی کھیتی کو صاف شفاف بنا کر" حزب الشیاطین "دنیا پر حکمرانی کر رہے ہیں۔ان سب حقائق کے باوجود آج کا مسلمان قطعاً اپنے آباء کی بے مثل وراثت کا حقدار نہیں کہلا سکتا، کیوں کہ یہ نہ صرف ان کی لازوال قربانیوں اور انتھک کاوشوں کو فراموش کر چکا ہے بلکہ ان کے علوم اور کارناموں کے بل بوتے پر تسخیرِ عالم کے گن گانے والے شیطانی کارندوں کا غلام بھی بن چکا ہے، جس کی وجہ سے پوری دنیا کے مسلمان غلاموں کی طرح زندگی بسر کر رہے ہیں۔ جلتی پر تیل کا کام عصرِ حاضر میں طبقاتی نظامِ تعلیم کے ناسور نے کیا، جس کے باعث قوم کے معماروں کی غیر معمولی صلاحیتوں اور ان کے افکار و نظریات کا بے دردی سے ضیاع ہو رہا ہے اور وہ یا تو فقط فرنگیت کے رنگ میں ڈھل کر" مسٹر" کہلوانے میں فخر محسوس کرتے ہیں یا پھر علوم الٰہیہ سے سرشار ہو کر" ملّا" کہلاتے ہیں۔اس ناسور نے مساجد و مدارس، سکول و کالج کے درمیاں ایک دیوار حائل کر دی ہے جس کی وجہ سے وحدت کا شیرازہ بکھر گیا ہے اور مسلمان روبہ زوال ہو رہے ہیں۔ لہٰذا اس طبقاتی تفریق کے ازالے کے لیے قوم کے بڑوں کو قدم بڑھانا ہوں گے، خواہ یہ بڑے گروہِ اول سے تعلق رکھتے ہوں یا گروہِ ثانی سے۔اسی طرح اس تفریق کو مٹانے کے لیے سب سے پہلے مقاصد تعلیم اور اس کی اغراض کا تعین کرنا ہوگا،ظاہر ہے کسی قوم کا نظام تعلیم اس کے مخصوص عقائد و نظریات اور اقدار و روایات کا آئینہ دار ہوتا ہے، انگریز نے

جو نظام تعلیم دیا وہ اس کے مخصوص نظریات اور تقاضوں کا ترجمان تھا۔ یہ نظام تعلیم ہمارے مذہب وملت کے خلاف ایک گہری سازش تھی، بقول علامہ اقبالؒ :

اور یہ اہلِ کلیسا کا نظامِ تعلیم
اک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف

چونکہ فرنگی نظام تعلیم مسلمانوں کی وحدت ،اخلاق و کردار کے سراسر خلاف تھا اسی وجہ سے اکبرالہ آبادی یہ کہنے پر مجبور ہوئے :

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

فرنگی نظامِ تعلیم ہی کی نحوست کا نتیجہ ہے کہ آج کا مسلمان مذہب وملت سے بے گانہ ہوگیا ہے ،اپنی پہچان ،زبان اور قومی ثقافت کو ترک کر بیٹھا ہے ،باہمی اتحاد واتفاق ،ادب واحترام ،رحم لی ،جذبہ ایثار وقربانی ،اخوت بھائی چارگی جیسی عمدہ صفات سے محروم ہوچکا ہے۔

اسی طرح اس طبقاتی نظام تعلیم کے خاتمے کے لیے علماء دین کو بھی اپنے موجودہ نظامِ تعلیم پر باہم مشاورت کرنا ہوگی اور جدید علوم کو اپنا کر اپنے آباؤ اجداد کی وراثت کو محفوظ بنانا ہوگا اور دنیا پر مسلط سائنس وٹیکنالوجی کے

علمبرداروں کے قلعے فتح کرنا ہوں گے کیوں کہ دنیا تیزی سے ارتقائی منازل طے کر رہی ہے یہ دور سائنس و ٹیکنالوجی کا دور ہے جو قومیں ان تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ہوتیں وہ ہمیشہ گمنام رہتیں ہیں اور کبھی ترقی نہیں کر سکتیں۔

یہ حقیقت ہے کہ آدمی دو راستوں پر بیک وقت نہیں چل سکتا ہاں مگر الگ الگ اوقات میں چلنا ممکن ہے۔ پس اسی طرح مدارس کے لیے بھی بیک وقت ان دو راستوں کا انتخاب نا موافق ہے، کیوں کہ اس صورتحال میں فوائد کی بجائے نقصانات زیادہ ہیں ۔اس کی ایک چھوٹی سی مثال اولیٰ پلس میٹرک ہے، جب سے مدارس میں اس کا رواج پڑھا ہے تب سے طلباء کے ذوق و شوق اور استعداد میں کافی حد تک کمی ہوئی ہے۔ اسی طرح جو طلباء مروجہ درس نظامی کے دوران ان دو راستوں پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں وہ بھی عموماً دونوں میں ادھورے رہ جاتے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ عصر حاضر میں تقریباً اکثر و بیشتر طلباء اس طرف رجحان رکھتے ہیں کہ وہ عصری تعلیم بھی پڑھیں۔ جب ان طلباء کو مدارس میں اس تعلیم کے لیے کوئی مناسب نظام نہیں ملتا تو وہ پھر اولیٰ پلس میٹرک اور پرائیوٹ طریقے سے اس خواہش کی تکمیل کرتے ہیں جو نا مکمل رہتی ہے۔ لہٰذا بہت بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے علماء کرام پر کہ وہ دورِ حاضر کے مطابق مدارس کے لیے تعلیمی پالیسی تشکیل دیں اور یہ پالیسی اس طرز کی ہو کہ ہر طالب علم کو اپنی اپنی فطری صلاحیت استعمال کرنے کا مکمل اختیار ہو اور وہ بلا جھجک اپنے لیے

کسی ایک راستہ کا انتخاب کرسکے ،مثلا اگر اس کی فطری صلاحیت ڈاکٹر بننے کی ہے تو اسے ڈاکٹر بننے کا مکمل اختیار دیا جائے اور اس کے لیے اسے ایک خالص دینی ماحول میسر ہو جو عین شرعی اصولوں کے مطابق ہو،اسی طرح دیگر شعبوں میں ہونا چاہیے ۔اس کے لیے موجودہ نصابِ درس نظامی کو برقرار رکھتے ہوئے ساتھ کچھ نہ کچھ حذفِ حشو وزوائد کے الگ سے ایسے ادارے بنائے جائیں کہ جن میں خالص عصری علوم کی تعلیم دی جائے ، اور نظامِ تعلیم دورِ حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق اور معیاری ہو،اور یہ نظام تعلیم ملی روایات ،عقائد ونظریات کی ترجمانی کرے اور نوجوانوں کو مثالی مسلمان اور بہتر انسان بنائے کیوں کہ نظام تعلیم قوموں کی زندگی میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے،کہتے ہیں اگر کسی قوم کو بدلنا ہو تو اسکا نظام تعلیم بدل دیا جائے وہ قوم خود ہی بدل جائے گی۔ اور یہ ادارے اس طرز کے بنائے جائیں کہ اس میں ہر طرح کے طلباء کے لیے تعلیم حاصل کرنا آسان ہو،مثال کے طور اگر ایک طالب علم دورہ حدیث سے فراغت کے بعد ڈاکٹر بننا چاہے تو اس کے لیے ان اداروں کے دروازے کھلے ہوں اور اس کی موجودہ تعلیم کے مطابق ڈاکٹریٹ کا نصاب وضع کردہ ہو ،اسی طرح اگر کوئی حافظ قرآن درس نظامی نہیں کرنا چاہتا تو اس کے لیے ان اداروں میں خالص دینی ماحول ہو جس میں اس کی شرعی اصولوں کے مطابق تربیت کی جائے اور ضروریات دین کی تعلیم بھی اسے مل سکے ، اسی طرح اگر کسی بچے کے والدین اپنے بیٹے کو فقط انجینئر،پولیس آفیسر وغیرہ بنانا چاہیں تو وہ بلا جھجک ان اداروں میں

داخل کروائیں اور پھران اداروں میں اس بچے کو انجینئر بھی بنایا جائے اور ساتھ ساتھ ضروریات دین کا عالم بھی بنایا جائے ،اسی طرح اگر کوئی طالب علم مکمل درس نظامی نہیں پڑھنا چاہتا بلکہ وہ کسی ایک خاص فن میں مہارت حاصل کرنا چاہتے ہے تو اس کے لیے کسی قسم کی کوئی رکاوٹ نہ ہو، اسی طرح اگر کوئی طالب علم دورہ حدیث سے فراغت کے بعد کسی مضمون میں پی ایچ ڈی کرنا چاہے تو اس کے لے بھی راستے کھلے ہوں۔خلاصہ یہ کہ یہ ادارے علماء حضرات کی نگرانی میں چلیں اور ان اداروں میں ہر طالب علم کو اس کی فطری صلاحیتوں کوآزمانے کا مکمل موقع میسر آئے ، جیسا کہ عظیم مذہبی سکالر مولنازاہدالرشدی صاحب کے زیر نگرانی شاہ ولی اللہ یونیورسٹی چل رہی ہے اگراس طرح کے ادارے قائم ہوجائیں توانشاءاللہ بہت جلد" دینی مدارس میں مخلوط، عصری تعلیم کا خواب "حقیقت بن جائے گا اور طلباء بھی اِدھر ادھر ہچکولے کھانے سے باز آجائیں گے ۔ یہ ادارے ہماری اقدار وروایات ، ثقافت اور الگ پہچان باقی رکھنے میں کارگر ثابت ہوں گے اور نوجوان نسل کی تعمیری سوچ میں بھی رہنمائی کریں گے ، نیز اس طرز کے دینی عصری ادارے طبقاتی تفریق کے خاتمہ میں بھی معاون ثابت ہوں گے ،اور فرنگی نظام تعلیم اور اس کی نحوست کے ازالہ کا سبب بھی بنیں گے اور ساتھ ساتھ ملک کو درپیش تمام مسائل کے حل میں کافی حدتک کامیابی ملی گی۔

اٹھ کہ خورشید کا سامان سفر تازہ کریں
نفس سوختہ شام وسحر تازہ کریں

مذہبی جماعتوں کا اتحاد ناگزیر ہے

"اگر یہ مولوی ایک پلیٹ میں کھانے لگ جائیں تو سارے مسائل حل ہو جائیں؟" ڈاکٹر منیر احمد ابھی اپنی بات مکمل بھی نہ کر پائے تھے کہ پروفیسر راشد اقبال نے جگالی کرتے ہوئے لب کھولے "کیوں جی! اگر یہ علماء اکٹھے ہو جاتے تو انگریزوں کی مجال تھی کہ وہ ہندوستانیوں میں پھوٹ ڈالواتے؟" ابھی یہ مکالمہ جاری ہی تھا کہ اچانک بڑے میاں یہ شعر پڑتے ہوئے

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

آدھمکے، "ہاں بھائی! ہم آپ لوگوں کی گفتگو کافی دیر سے سن رہے تھے مگر طبعیت پر کوئی خاص اثر نہ پڑا، مگر جب پروفیسر صاحب کی بات کان میں پڑی تو ماضی کی تلخ یادیں تازہ ہو گئیں، مولویوں کے اتحاد کی بات تو برسوں سے چلی آ رہی ہے، بڑے بڑے مفکرین دانشور اور اہلِ علم حضرات بارہا سر جوڑ کر بیٹھے کہ کسی طرح قوم کے یہ پیشوا ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں، مگر ہر بار یہ کوشش رائیگاں جاتی رہی۔ ان مقتداؤں کے باہمی اختلاف کی وجہ سے معاشرے میں اب ایک پلیٹ میں کھانا بھی" معیوب "ہو گیا ہے اور نوبت یہاں تک آن پہنچی کہ سوسائٹی میں مولوی کا لفظ ایک طرح" گالی" بن چکا ہے جو انتہائی افسوسناک امر ہے۔ ایک زمانہ تھا

کہ شہر کے شہر ایک مولوی صاحب کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے میدان میں کود پڑتے اور جان جوکھوں میں ڈال کر بڑی سے بڑی مصیبت کا صفایا کر دیتے ، اور جو قدر اس زمانے میں مولوی صاحب کی ہوتی شاید ہی کسی اور کی ہو؟ بڑے میاں کے "ایامِ ماضی کی یادوں کا دریچہ" کھل ہی رہا تھا کہ ہم کفِ افسوس ملتے ہوئے وہاں سے چل دیئے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ باہمی اختلافات قوموں کے زوال کا سبب بنتے ہیں۔ اتحاد ایک ایسی دولت ہے جس سے قومیں وجود میں آتی ہیں معاشرے بنتے ہیں اور تہذیبیں پروان چڑھتی ہیں، اتحاد وہ سرمایہ ہے جس کی حفاظت کا درس اسلام نے دیا اور تفرقہ سے منع کیا۔ ارشادِ باری کہ "اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رکھو اور آپس میں تفریق نہ ڈالو" اس کی بیّن دلیل ہے۔ اسلامی تاریخ شاہد ہے کہ جب تک مسلمان اتحاد واتفاق والی دولت سے مالا مال رہے دنیا پر غالب رہے اور جب مفادات کی خاطر الگ الگ راستوں پر چلنے لگے تو ہزیمت ورسوائی ان کا مقدر ٹھہری۔ خلافتِ عباسیہ ، بنو امیہ خلافت عثمانیہ اور سلطنتِ مغلیہ کا آفتاب باہمی انتشار وخلفشار ہی کی وجہ سے غروب ہوا۔ آج مسلمان دنیا میں مغلوب ہیں تو اس کا سبب صرف اور صرف وحدت کے شیرازہ کا بکھرنا ہے۔ اسی طرح ملکِ پاکستان آج جن مسائل کا شکار ہے اس کی سب سے بڑی وجہ باہمی اعتماد اور اتحاد کا فقدان ہے۔ حکومتی ادارے ہوں یا عوامی حلقے ، سیاستدان ہوں یا عوام

الناس ،اہلِ علم ہوں یا دانشور ، خطباء ہوں یا شعرا ،اساتذہ ہوں یا طلباء ہر ایک اس موذی مرض میں مبتلا ہے۔دور کیوں جائیں ؟ قوم کے رہبروں اور مقتداؤں کا حال دیکھ لیں تو سب واضح ہو جائے گا۔

حال ہی میں پاکستان کی مذہبی جماعتوں نے الگ الگ سیاسی محاذ کھولے جو متحدہ مجلس عمل اور متحدہ دینی محاذ کے نام سے موسوم کیے گئے ، ان میں اول کی قیادت مولنا فضل الرحمان اور دوسرے کی مولنا سمیع الحق کے ہاتھ میں ہے۔ متحدہ مجلس عمل کے محاذ کی نگہبانی پانچ جماعتیں کر رہی ہیں جن میں جمعیت علماء اسلام (ف) ،جمعیت اہل حدیث جے یو پی نورانی ،اسلامی تحریک پاکستان اور جمعیت علماء اسلام سینئر شامل ہیں،اور، متحدہ دینی محاذ کو اہلسنت والجماعت (احمد لدھیانوی) جمعیت علماء اسلام نظریاتی ،جمعیت علماء اسلام (س) جمعیت اہل حدیث (ابتسام الہی) جمعیت علماء اسلام سواد اعظم سے مرکب بنایا گیا ہے ،تاہم مذہبی لبادہ اوڑھ کر سیکولر جماعتوں کی دیگ کا کف گیر بننے کی خواہش رکھنے والی جماعت اسلامی ان دو محاذوں میں شامل نہیں ،جو یقینا ان دونوں محاذوں کے لیے ایک بری خبر ہے۔مذہبی جماعتوں کا اس طرح دھڑا بندی کرنا باعثِ نقصان بھی ہے اور جگ ہنسائی کا سبب بھی ، کیوں کہ اس طریقہ سے الیکشن میں صورتحال "متحدہ مجلس عمل بمقابلہ متحدہ دینی محاذ" والی بن جائی گی جس سے ایک طرف مذہبی جماعتوں کا ووٹ تقسیم ہو جائے گا تو دوسری طرف عوام کے دلوں میں بلکہ

دنیامیں ان کا امیج پہلے سے زیادہ گر جائے گا اوراس سارے کھیل سے فائدہ لامحالہ سیکولر پارٹیوں کو ہوگا۔ نتیجہ وہی نکلے گا! کہ مسائل حل ہوں گے ،نہ عدل وانصاف اور امن وامان کی راہ ہموار ہوگی، قوم کو صالح قیادت میسر آئی گی ،نہ معاشرے کی فلاح وبہبود اور ملک کو ترقی یافتہ بنانے والے باکردار عادل حکمران ملیں گے بلکہ پہلے سے زیادہ مسائل بڑھ جائیں گے اور ملک کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے والے کرپٹ حکمرن دوبارہ برسرِ اقتدار آ جائیں گے اور اس کا فائدہ دشمنانِ وطن کو ہوگا اور پاکستان کے " صحیح اسلامی فلاحی ریاست " بننے کا خواب ادھورا رہ جائے گا۔ لہٰذا مذہبی جماعتوں کو عاقبت اندیشی کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور ڈیڑھ اینٹ کی مسجدیں بنانے سے گریز کرنا چاہیے اور سابقہ متحدہ مجلس عمل کے پلیٹ فارم پر جمع ہو کر بھرپور انداز میں سیاسی ومذہبی طاقت کا مظاہر کرنا چاہیے تاکہ کم از کم سابقہ 58 سیٹیں تو بحال ہو جائیں ۔ ورنہ اگر اس طرح نئے نئے محاذ کھلتے رہے تو حالات مزید گمبھیر ہو جائیں گے اور مملکت کی بقاء کے لیے خطرات بڑھ جائیں گے اور پروفیسر راشد اقبال جیسے لوگوں میں بھی اضافہ ہوتا چلا جائے گا جو ہمیشہ اپنے ہاتھ اہلِ علم کے دامن سے صاف کرتے رہیں گے ۔خدارا! ملک وملت کے تحفظ کی خاطر متحد ہو جائیں ،دفاع پاکستان کے خاطر یکجاء ہو جائیں ،اپنے وقار ،مقام ،کردار اور دین اسلام کی خاطر ایک صف میں کھڑے ہو جائیں کیوں کہ :

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک

ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک

آخری مہلت

عدل وانصاف جل تھل ہوگیا' شرم وحیاء جاتی رہی 'اقدار وحمیت اور غیرت ہوا ہو گئی 'اخلاقی پستیاں انتہاؤں کو چھونے لگیں' ظلم وجبر اور تشدد معاشرے میں رچ بس گیا' کرپشن 'دھونس اور دھاندلی قوم کی پہچان بن گئی 'انتشار اور خلفشار ہر گھر کی عادت بن گیا' اتحاد واتفاق پارہ پارہ ہوگیا' خون ریزی جیسے المناک حادثات روزکا معمول بن گئے' انسانی جان بال سے زیادہ سستی کردی گئی' قوم کی لگام تھامنے والے بے شعور ،بے حمیت اور ہوس زرکے عادی بے ضمیر لوگ مفاد پرستی کی آڑ میں بند ربانٹ کرنے کی رُت کو دوام بخشنے لگے، اور آئے روز گرتی پڑتی کھسی پٹی حکومتی دیوار کو سہارا دینے کی خاطر "میدان کارزرا"میں کودنے اور مطلب پرستی اور" کھسیانی بلی پنجہ نوچے "جیسے تماشے دکھانے لگے۔ کیا پاکستان انہی گھناؤنی سازشوں کے مسکن کے طور پر اور مظلوم انسانیت کی مقتل گاہ کے لیے حاصل کیا گیا تھا؟ کیا اتحاد ،ایمان ،یقین اور تنظیم کا لشکر صرف مخالفین کو ڈرانے کے لیے بنایا گیا تھا؟ کیا پینسٹھ سال قبل اپنی بقاء کی جنگ لڑنے والے اس مفلوک الحال وطن میں شورش کا یہ عالم تھا؟ کیا فرنگی دور میں حسِّ انسانی اس قدر گری ہوئی تھی کہ درجنوں مردوں کو دفنانے کے لیے مظلوم لواحقین سڑکوں پر رکھے انصاف کی بھیک مانگتے ہوں؟ کیا سامراجی وحشت ناک دور

یہ امت کی خاطر زندگیاں لٹانے والے درویش صفت ملاؤں کو دن دیہاڑے درندگی کا نشانہ بنایا جاتا تھا؟ کیا پینسٹھ سال قبل جب سائنس و ٹیکنالوجی ابتدائی سانسیں لے رہی تھی اور تعلیم و تعلم اس قدر عام نہ تھی اس طرح عوام ان پڑھ لوگوں کے ہاتھوں کھلونہ بنتے تھے؟ کیا انسانی حیات اس قدر سستی تھی کہ درجنوں افراد آئے روز قتل کر دیے جاتے ہوں؟

نہیں ہر گز نہیں! تو پھر آج یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟ کیا پینسٹھ سال کا چکر ان سب حالات کا قصوروار ہے؟ کیا یہ زمین پینسٹھ سال کے عرصے میں بدل گئی ہے؟ کیا ملکی پیداوار اور وسائل بڑھتی ہوئی آبادی کی وجہ سے ختم ہو گئے ہیں؟ کیا ڈاکٹر عبدالقدیر جیسے ایماندار اور محب وطن لوگوں کو جنم دینے سے حوا کی بیٹیوں کی کوکھ بانجھ ہو گئیں ہیں؟ نہیں بالکل نہیں! تو آخر ان شورشوں کا ذمہ دار کون ہے؟ ان سب حالات اور واقعات کے ذمہ دار یہاں بسنے والے خواب غفلت کے عادی باشندے ہیں! ارشاد ربانی اس کی بین دلیل ہے "اللہ اس قوم کی حالت نہیں بدلتے جو خود اپنی حالت نہ بدلے"۔ گھر میں اگر گندگی پھیلی جائے تو اسے صاف کرنے کی ذمہ داری بھی گھر والوں ہی کی بنتی ہے، اگر غیروں سے صفائی کی آس رکھی جائے تو گندگی بجائے صاف ہونے کے مزید پھیل جائے گی۔ یہی حال ارضِ پاک کا ہے، یہاں بسنے والے دنیا کے تیز ترین اذہان اس فلسفہ کو الٹی منطق سمجھ بیٹھے ہیں، جس سے بے تحاشا مسائل جنم لے رہے ہیں۔

خدائی قانون ہے کہ ہر انسان کو اور ہر قوم کو سمجھنے کے لیے، سدھرنے کے لیے مہلت اور ڈھیل ملتی ہے، اس سے بروقت استفادہ نہ کرنے والی قومیں ہمیشہ ذلت ورسوائی برداشت کرتی ہیں۔امت محمدیہ ﷺ سے پیشتر نشانِ عبرت بننے والی طاقتور قومیں بزبانِ قرآن اپنی رسوائی پر آج بھی نوحہ کناں ہیں۔دنیا کی ساڑھے پانچ ہزار سالہ تاریخ بھی ترقی یافتہ قوموں کے زوال کے اسباب مہلت اور ڈھیل کی ناقدری بتاتی ہے۔ماضی قریب میں سوویت یونین بھی اسی ڈھیل کی ناقدری کی وجہ سے نشان عبرت بنا اور اب امریکی سامراج بھی یہی تاریخ رقم کرنے والا ہے (انشاءاللہ) ۔پاکستانی قوم کئی بار اس مہلت کی ناقدری کر چکی ہے اور اس کی کچھ نہ کچھ سزا بھی آمروں کی آمریت کی صورت میں بھگت چکی ہے، مگر یہ ڈھیل ہر بار دراز ہونے والی نہیں ۔ گزشتہ پانچ سالہ جمہوری دور بھی بطور مہلت عطیہ خداوندی تھے، جس کی ناقدری کی سزا متذکرہ مسائل کی صورت میں پوری قوم بھگت رہی ہے اور نہ جانے مزید کیا کچھ جھیلنا پڑے گا؟

اسی مہلت کا نتیجہ ہے کہ پاکستانی تاریخ میں پہلی بار کوئی حکومت پانچ جمہوری سالوں کی تاریخ رقم کر رہی ہے، جس پر تقریباً بیس دن بعد مہر ثبت ہو جائے گی۔ان پانچ سالہ ایامِ مہلت میں قوم نے کیا کچھ سیکھا اور کیا کچھ پایا وہ سب کے سامنے ہے، جس پر ہر منصف مزاج آدمی یہی کہے گا کہ یہ پانچ

سال آخری مہلت تھے ،ان بیں بجو انتشار اور خلفشار پھیلا اس سے پہلے کبھی نہ تھا ۔اور حقیقت بھی یہی ہے کہ پاکستان اپنی آزادی کے دن سے آج تک بجائے آگے بڑھنے کے پیچھے کی طرف جارہا ہے،پی آئی اے ،ریلوے ،اسٹیل مل ،اور ملکی خزانہ کا سہارا بننے والے صنعتی کارخانے زندگی کی جنگ لڑرہے ہیں ،افراط زر اور تفریط زر کی شرح بلندیوں کو چھورہی ہے،اور کرپشن ،بددیانتی لوٹ کھسوٹ اورجہالت کی لیپا پوتی کے ذریعہ غریب کے منہ سے نوالہ تک چھیننے پر مقابلہ بازیاں ہورہی ہیں،آخر کس کس شعبے کی کمزوریاں اورخامیاں لکھی اوربیان کی جائیں؟کس کس برائی کا رونا رویا جائے ؟سب کچھ ہر ایک کے سامنے کھلی کتاب کی طرح ہے ،مگر پھر بھی نہ جانے کیوں عوام خاموش تماشائی بنے بیٹھے ہیں؟اگر یہ حالات فرانس میں رونما ہوتے تو کب کا انقلاب آچکا ہوتا ہے،کب تک عوام اپنے خون پسینے سے پلنے والے مردہ دل حکمرانوں کو کیفر کردار تک پہنچا چکے ہوتے ؟اگر مفتی عبدالمجید دین پوری اور مولانا اسلم شیخوپوری جیسے قوم کے سرمائے کو اس طرح بے دردی سے تیونس یا مصر میں لوٹا جاتا تو کب تک مجرم عبرتناک انجام تک پہنچ چکے ہوتے ؟۔لیکن افسوس صد افسوس ! حکمرانوں کی طرح قوم بھی بے حس ہوچکی ہے ،جو ہر بار ایک ہی سوراخ سے بار بار ڈسی جارہی ہے،جب کہ فرمان نبوی ﷺ تو یہ ہے کہ " مومن ایک سوراخ سے بار بار ڈسا نہیں جاسکتا"۔

وقت اب بھی عوام کو پکار پکار سدھرنے کی دہائیاں دے رہا ہے اور خدائی ڈھیل بھی جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر کہ رہی ہے کہ یہ آخری مہلت ہے، سنبھل جاؤ اور اپنے اور ملک کے اصل مجرموں اور دہشتگردوں کے خلاف متحد ہوجاؤ !اس سے پہلے کہ دیر ہوجائے ا ور پھر پچھتانے پر کفِ افسوس ملنا پڑے۔اس مہلت سے صحیح معنوں میں غافلہ خواب غفلت سے بیداری، ہمت اور خود کو بدلنے سے ہوگا' کیوں کہ یہ بات اٹل ہے کہ" اللہ اس قوم کی حالت نہیں بدلتے جو خود اپنی حالت نہ بدلے"پس سنورنے کے لیے اور حالات کا دھارا پلٹنے کے لیے یہ آخری مہلت ہے۔"فاعتبرو یا اولی الابصار" (اے بصیرت والو تم عبرت پکڑو)۔

عافیہ کی استقامت اور قوم کی اعانت؟

ڈاکٹر عافیہ صدیقی پاکستان سے تعلق رکھنے والی سائنسدان ہیں، عافیہ صدیقی 2 مارچ 1972ء کو روشنیوں کے شہر کراچی میں پیدا ہوئیں۔ابتدائی تعلیم کراچی میں حاصل کی ثانوی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے امریکہ چلی گئیں اور 1990 میں امریکہ کی مشہور یونیورسٹی "ہیوسٹن یونیورسٹی" میں داخلہ لیا،اپنی خداد صلاحیتوں اور فطری ذہانت کی بدولت عافیہ نے یہاں کی امتحان میں شاندار کارکردگی دکھائی اور "نیشنل ڈینز لسٹ" میں عافیہ کا نام آگیا، یہ امریکا میں ایک بہت بڑا اعزاز سمجھا جاتا ہے۔اس اعلیٰ کارکردگی کے بعد عافیہ صدیقی کو امریکا کی ریاست "میساچوسٹس" میں واقع دنیا کی بہترین یونیورسٹیوں میں شمار ہونے والی یونیورسٹی MIT سے فل اسکالرشپ کی آفر ہوئی، چنانچہ 1994 میں عافیہ نے اس یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا اور یہاں سے ماسٹر کیا۔بعدازاں "میساچوسٹس" میں واقع "برانڈیز یونیورسٹی" سے "نیورو اینڈ ایجوکیشن" میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔

تعلیم مکمل کرنے کے بعد عافیہ صدیقی اپنے گھر واپس لوٹ آئیں، مگر ملازمت نہ ملنے کی وجہ سے دوبارہ ملازمت ڈھونڈنے کے سلسلہ میں امریکا دورہ پر چلی

گئیں۔انہی دنوں نائن الیون کا" ڈرامہ " برپا ہوجاتا ہے ، عالم اسلام اور تمام ادیان پر غالب ' دینِ اسلام کو مسخ کرنے کی خاطر کفریہ طاقتیں متحد ہوجاتی ہیں ، دنیا میں مثالی اسلامی ریاست " عمارت اسلامیہ افغانستان "پر شب خون مارنے کے لیے اس ڈرامہ کو سبب بناکر کائنات میں امن وسلامتی کا دعویدار بدنام زمانہ امریکہ کیائی ہتھیاروں سے لیس ہوکر دنیاکے 48 سے زائد ممالک کے آشیر باد سے لاکھوں بے گناہوں کا قتل عام شروع کردیتاہے۔ مظلوم انسانوں کی دادرسی کے لیے وقت کے ظالم وجابر بدمعاشوں اور غنڈہ گردی کرنے والے روسی لٹیروں کو جہنم واصل کرنے والے خدائی شیروں کو دہشت گرد قرار دیا جاتاہے اور اس نیٹ ورک کے آگے بند باندھنے کا ٹوپی ڈرامہ رچا کر القاعدہ "کا پیچھا شروع کیا جاتا ہے اور خوامخواہ بے گناہوں کو اس تنظیم کے ساتھ محض" محبت اور ہمدردی کی بناء پر پابندِ سلاسل کیا جاتاہے۔دنیا جانتی ہے کہ اس سارے گیم سے مقصود عالم اسلام کو تہس نہس کرنا اور دنیا پر دجالیت کا پرچم گاڑنا تھا،اوراس کے لیے القاعدہ اور طالبان کو قربانی کا بکرا بنایا گیا،مگر قربان جائیں !ان خدائی حواریوں اور مددگاروں پر جواللہ عزوجل کے اس فرمان مبارک پر "کونوٓاَنصَارَاللّٰہ " (تم اللہ کے مددگار بن جاؤ) پر پورا اترے 'اور پھر " اَلَااِنَّ نَصرَاللّٰہِ قَرِیب (سن رکھواللہ کی مدد قریب ہے) کے خدائی وعدے پر آس لگائے بارہ سال تک کفریہ طاقتوں کے خلاف تن تنہا، بنا کسی ظاہری طاقت کے میدان کارزار میں ڈٹے رہے 'اور دشمن کو مار مار کر اس

قدر بد حواس کیا کہ وہ اب جان بخشی کے لیے پوری دنیا سے مذاکرت کے نام پر بھیک مانگ رہا ہے۔

مظلوم ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو بھی اس ڈرامہ کی بھینٹ چڑھایا گیا،اور نائن الیون کے بعد ایف بی آئی) نے القاعدہ کے مطلوب افرد کی) FBI ان کا نام امریکا کی سرکاری ایجنسی فہرست میں ڈال دیا۔اس دوران عافیہ صدیقی کراچی میں مقیم تھی، عافیہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو وہ بہت مایوس ہوئیں،اپنے اوپر لگے اس الزام کو دھونے کے لیے انہوں نے ایک وکیل کیا اوراس الزام کی سختی سے تردید کی۔مگر درندوں اور غدار وعیار حکمرانوں کے مطلوب نظر کچھ اور ہی تھا، وہ تو ایک معصوم حوا کی بیٹی کا سودا کر چکے تھے ان کے ہاں غیرت وحمیت کی کچھ اہمیت نہ تھی، وہ مسلسل عیار لومڑی کی طرح اس پھول، پر نظر رکھے ہوئے تھے، چنانچہ 30 مارچ 2003ء کو ان کی یہ ہوس اس وقت پوری ہو گئی جب عافیہ صدیقی اپنے تین کمسن بچوں کے ہمراہ کراچی سے روالپنڈی جانے کے لیے ریلوے اسٹیشن کی طرف روانہ ہوئیں۔پاکستانی خفیہ ادارے کے اہلکاروں نے بچوں سمیت عافیہ صدیقی کو اغوا کرکے امریکی فوجیوں کے حوالہ کردیا،اس وقت ان کی عمر 30 سال تھی۔مقامی اخباروں میں آپ کی گرفتاری کی خبر شائع ہوئی مگر بعد میں وزیروں نے لاعلمی کا اظہار کیا اور آپ کی والدہ کو خاموش کرانے کے لیے دھمکیاں دی گئیں۔

سال تک عافیہ لاپتہ رہیں ' یہاں تک کہ 6 جولائی 2008 کو نو مسلم برطانوی صحافی 5 مریم ایون ریڈلی نے اسلام آباد میں ایک پریس کانفرنس کے دوران یہ انکشاف کیا کہ " کابل کے بگرام ائیر بیس پر ایک پاکستانی خاتون گرفتار ہے اور قیدی نمبر 650 کے بیرک سے چیخ وپکار کی آوازیں آتی ہیں جو پوری جیل میں سنی جاتی ہیں، اذیت اور تشدد کی وجہ سے وہ عورت اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھی ہے "۔ عالمی میڈیا پر جب انسانی حقوق کی دھجیاں اڑانے والی اور دل دھلا دینے والی اس خبر کو شور مچا تو امریکیوں نے اچانک اعلان کر دیا کہ " عافیہ کو 17 جولائی 2007 میں افغانستان سے گرفتار کر کے نیویارک پہنچا دیا گیا ہے تاکہ ان پر دہشت گردی کا مقدمہ چلایا جاسکے ، کیوں کہ عافیہ صدیقی نے دوران تفتیش امریکی فوجیوں پر باالارادہ حملے کا ارتکاب کیا ہے "۔ انسانی حقوق کی تنظیموں اور منصف مزاج لوگوں نے امریکا کی اس کہانی کو ناقابل یقین قرار دیا، کیوں کہ عافیہ کو تو 30 مارچ 2003 کو اغوا کیا گیا تھا۔

بہر حال 5 اگست 2008 کو نیویارک کی عدالت میں عافیہ صدیقی کو پیش کیا گیا اور ان پر مقدمہ چلایا گیا۔ عدالت نے ان پر فرد جرم عائد کرتے ہوئے ان کو 86 سال قید کی سزا سنائی ، جو انسانی حقوق کی چمپئن اور دنیا میں امن وسلامتی کے دعویدار امریکا کے منہ پر طمانچہ ہے ' جنہوں نے ایک معصوم صنفِ نازک کو تین

امریکی سورماؤں پر محض بندوق اٹھانے پر یہ اذیت ناک سزا دے کر انصاف کی دھجیاں اڑائیں۔کیا امریکا کا عدل وانصاف یہی تقاضا کرتا ہے کہ ایک معصوم عورت کو بچوں سمیت بنا کسی جرم کے اغوا کرکے پانچ سال تک غیر قانونی طور پر جیل میں رکھا گیا اور تشدد کا نشانہ بنایا گیا، پھر بھی اسے 86 سال سزا دی جائے؟کیا انہی دنوں ایک سو سے زائد بے گناہ لوگوں کا قاتل آندرے بہرنگ نامی کٹر عیسائی 86 سال کی سزا کا مستحق نہیں تھا؟کیا عراق میں 11 لاکھ سے زائد بے گناہ لوگوں کے قاتل امریکی درندے 86 ہزار سال قید کی سزا کے مستحق نہیں؟کیا افغانستان میں بارہ سال سے کشت وخون کی ہولی کھیلنے والے اور 6 لاکھ سے زائد معصوم شہریوں کا قتل عام کرنے والے 48 ممالک کے فوجی دہشت گردی کے مرتکب نہیں ہوئے ؟کیا وہ سزائے موت کے مستحق نہیں ہیں؟کیا لاکھوں فلسطینوں کے قاتل اسرئیل کی سربراہی کرنے والا امریکا قصور وار نہیں؟کیا پوری دنیا میں دہشت گردی پھیلانے والا اور دنیا کے امن وامان کو تباہ کرنے والا امریکا مجرم نہیں ؟کیا مجرم صرف عافیہ صدیقی جیسے کمزور لوگ ہیں؟کیا ساری کی ساری سزا صرف اور صرف ایک نہتی مسلمان عورت کے لیے ہی رکھی گئی تھی؟غیرت آنی چاہیے تھی امریکی عدالت کو یہ منافقت اور دوہرا معیار اپناتے وقت ! شرم وحیا سے کام لینا چاہیے تھا انسانی حقوق کا ڈھونڈرا پیٹنے والے امریکا کو !

آج ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو گھر سے لاپتہ ہوئے گیارہ سال بیت گئے، مگر مجال ہے کہ کسی قومی ، بین الاقوامی یااسلامی حکمران ، صدر، وزیر اعظم ،وزیر اعلی
گورنر، مشیر وزیر، صنعت کار، بیورو کریٹ ، صحافی ، وکیل ، جج،تاجر، کسان ،مزدور اور، میڈیانے مظلوم عافیہ صدیقی کے لیے صحیح طریقے اور خلوص نیت سے کوئی کوشش کی ہو'یا کوئی ایسا کردار ادا کیا ہو جس پر داد دی جائے یا اسے سراہا جائے۔ حکمرانوں کی بات کی جائے !توانہیں اقتدار اور مال ودولت سمیٹنے کی جنگ اور ہوس سے فرصت نہیں ،وہ توگزشتہ پانچ سال تک پاکستان کو دونوں ہاتھوں سے لوٹتے رہے ہیں،انہیں عوام کی فکر ہے 'نہ ان پر ڈھائے جانے والے مظالم سے سروکار، بھوک سے بلک بلک کر مرنے والے معصوم بچوں کی آہیں سنائی دیتی ہیں'نہ آئے روز غربت ،بیروزگاری سے تنگ ہو کر خودکشیاں کرنے والے نوجوان نظرآتے ہیں،ملک پاکستان کی خود مختاری اور آزادی کا خیال ہے ،نہ اس ملک میں پیدا ہونے والے انسانوں کی جان ومال ، عزت وآبرو کی حفاظت کی ذمہ داری سے لین دین ،وہ توجب چاہیں جیسے چاہیں اقتدار کی کرسی کے لیے اپناسب کچھ قربان کر سکتے ہیں ،مال ودولت کیا، قوم کی عزت اور غیرت کیا وہ توپاکستان کی خود مختاری کو بھی داؤ پر لگا سکتے ہیں، غدار کمانڈوپرویز مشرف کی طرح' انہیں بھی اگر عافیہ صدیقی جیسی قوم کی بیٹیوں کو ڈالروں کے عوض بیچناپڑے ، ملکی ہوائی اڈے فروخت کرناپڑیں ،تو وہ اس سے ہرگز گریز نہ کریں۔ حکمرانوں سے عافیہ کی رہائی کی امید رکھنا اب تک تو شیخ چلی کے خواب کی طرح ہی رہا

ہے،اور آئندہ بھی یہ افسانہ حقیقت میں بدلتا نظر نہیں آ رہا۔

کتنی شرم اور غیرت کی بات ہے کہ ہماری بیٹی کی رہائی کے لیے دیارِ غیر سے وفود آ کر طعنہ دیتے ہیں اور جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر کہتے ہیں کہ خدارا! اپنی بیٹی کے معاملہ میں سنجیدگی کا مظاہرہ کریں۔نومبر 2012 میں سابق امریکی سینیٹر اور عافیہ کی وکیل ٹینا فوسٹر پانچ رکنی وفد کے ہمراہ پاکستان کے دورہ پر آئے اور حکومت پاکستان سے درخواست کی کہ اگر وہ عافیہ کی رہائی کے لیے ایک خط لکھ دیں تو عافیہ رہا ہو سکتی ہے۔مگر افسوس! ملالہ پر مگرمچھ کے آنسو بہانے والے اور ملال کرنے والے بے حس بے ضمیر حکمران 'اور ملالہ کی خاطر قوم کے لاکھوں روپیہ ضائع کرکے لندن جا کر گلدستے پیش کرنے والے صدر پاکستان اب تک عافیہ کے لیے ایک کاغذ کا ٹکڑا نہیں لکھ سکے۔حکمرانوں کی اس بے حسی اور منافقت کو دیکھ کر چند دنوں بعد ایک اور امریکی وفد پاکستان آیا اور انہوں نے دنیا کے سامنے حکمرانوں کے دوغلے پن کا پول کھولتے ہوئے کہا کہ حکومت پاکستان عافیہ کی رہائی کے لیے مخلص نہیں،حکومت نہیں چاہتی کہ عافیہ رہا ہو۔دنیا پر جب اس منافقت کا پردہ چاک ہوا تو 'وزیر اعظم پاکستان نے عافیہ کی رہائی کے لیے وزیر خارجہ حنا ربانی کھر کی سربراہی میں ایک کمیٹی بنائی،مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ کمیٹی بھی دنیا کی
آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے بنائی گئی تھی،یہی وجہ ہے کہ اب تک اس کمیٹی
کاایک اجلاس بھی نہ

ہو سکا۔ رہ گئے ملک میں عدل وانصاف قائم کرنے والے ادارے اور قضاۃ تو انہوں نے بھی اب تک عافیہ کے معاملہ کو سیریس نہیں سمجھا۔ اگرچہ چیف جسٹس آف پاکستان گزشتہ کئی سالوں سے پاکستان میں عدل وانصاف کے لیے کوششیں کر رہے ہیں اور ازخود نوٹس لے کر مظلوموں کے زخموں پر مرہم لگا رہے ہیں مگر انہوں نے بھی قوم کی اس بیٹی کے لیے ازخود نوٹس لیا، نہ قوم کی عزت کا سودا کرنے والے غدار بے غیرت مجرموں کو سولی پر لٹکانے کے لیے کوئی فیصلہ دیا۔ باقی وکلاء اور صحافی برادری نے ہاتھوں پر سیاہ پٹیاں اور ریلیاں نکالنے کے سوا کچھ نہیں کیا۔ اور پاکستان میں بسنے والے کروڑ عوام نے اگر اپنی عزت اور اپنی بیٹی کے لیے کچھ کیا ہے تو وہ صرف اور صرف 20 رسمی احتجاج اور چند ایک پلے کارڈز تک محدود رہا ہے۔ الغرض اوپر سے لے کر نیچے تک حکمرانوں سے لے کر عوام الناس تک، سرکاری اداروں سے لے کر نجی اداروں تک، امن وامان قائم کرنے والے قومی اداروں سے لے کر انصاف فراہم کرنے والے، اداروں تک، انسانی حقوق کی تنظیموں سے لے کر غیر ملکی این جی اوز تک سب نے قوم کی مظلوم بیٹی عافیہ کے لیے کچھ نہیں کیا، جس پر پوری قوم عافیہ کی مجرم ہے۔ افسوس ہے ان سب پر جو باوجود قوت اور طاقت کے اب تک عافیہ کو رہا نہ کروا سکے! حیرت ہے مسلمانوں پر جو محمد بن قاسم، سلطان محمود غزنوی جیسے اسلاف کے جانشین ہیں، اور قدرت کی دی ہوئی بے شمار نعمتوں سے مالا مال ہیں مگر پھر بھی محکوم، مظلوم اور مغلوب ہیں، اور اپنی عزت کی خاطر امریکا بہادر سے سہمے ہوئے ہیں۔ اس سے بڑھ کر

ندامت کی اور کیا بات ہوگی کہ پاکستان دنیا کے 58 اسلامی ممالک میں سے واحد ایٹمی طاقت ہے اور دنیا کی بہترین فوج رکھتا ہے اور اہم محل وقوع کا حامل ہے مگر پھر بھی اپنی ایک بیٹی کو بھیڑیوں سے آزاد نہ کرواسکا؟

گیارہ سال گزرنے کے بعد' اب بھی عافیہ صدیقی کی رہائی ممکن ہے اور ماضی کے گناہوں کو دھویا جاسکتا ہے۔ اس کے لیے سب سے پہلے پوری قوم کے مخلص اور متحد ہونے کی ضرورت ہے ،دل میں احساس پیدا کرنے اور عافیہ کو اپنی ماں، بہن اور بیٹی سمجھنے کی ضرورت ہے ، مفاد پرستی ،آرام طلبی ،اور منافقت بازی سے گریز کرنا بھی ضروری ہے اور رسمی احتجاج اور چند ایک ریلیوں کی بجائے موثر اور فیصلہ کن تحریک چلانے کی بھی اشد ضرورت ہے۔ان سب باتوں کے لیے پہل عوام کو کرنا پڑی گی کیوں کہ عوام ایک ایسی طاقت ہے جو سب کچھ کرنے کی طاقت رکھتی ہے ،انقلاب، انتقام ،سب کچھ ان کے ہاتھ میں ہے ،یہی عوام تھی جس نے تیونس میں ایک ریڑھی، بان کی خود کشی کا انتقام لینے کے لیے پورے بلاد عرب میں انقلاب برپا کردیا ،اور یہ بھی عوام ہی کا کارنامہ ہے کہ جس نے شاہِ ایران کو تختہ مشق پر چڑھایا اور انقلابِ فرانس لانے والے بھی عوام ہی تھے ۔ پس ضرورت ہے جاگنے کی اور عزم وہمت کرنے کی !۔اگر عوام چاہے تو چند دن میں عافیہ صدیقی واپس آسکتی ہے' ورنہ قیامت کے دن عافیہ کا ہاتھ پوری قوم اور عوام کے گریبانوں پر ہوگا،اور وہ پکار پکار کر بائیِ ذنبٍ قتلت " کی"

صدا لگا رہی ہو گی اور اپنے خون کا حساب مانگ رہی ہو گی ۔خدارا ! اس دن کے آنے سے پہلے سنبھل جاؤ ع اور 30 مارچ سے پہلے پہلے ایک فیصلہ کن تحریک ، ملین مارچ یا لانگ مارچ برپا کر دو اور قوم کی بیٹی کو ہنستے مسکراتے گلشن میں واپس لانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں !

توہینِ رسالت کا تسلسل، سدِّ باب کیسے کیا جائے؟

گزشتہ دنوں لاہور کی جوزف کالونی میں ایک بدبخت ساون مسیح عرف ہی نامی عیسائی نے رحمۃ اللعالمین ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کی ،شاہد عمران نامی شخص نے اس دریدہ دہن شخص کی اس ناپاک جسارت کی رپورٹ قریبی پولیس اسٹیشن میں کی ،جواب میں پولیس نے روایتی کھیل کا مظاہرہ کیا اور ملزم کو ایک دن بعد گرفتار کیا' پھر "دور اندیشی" کے فارمولے کو کام میں لائے اور دو دن تک اس ملعون کی گرفتاری ظاہر نہ کی' جس سے ناموس رسالت کے پروانوں میں لاوہ پکنے لگا اور پھر واقعہ کے تیسرے روز یہ آتش فشاں پھٹ گیا اور تین سو مکانوں پر مشتمل عیسائی بستی کے 170 سے زائد مکانوں کو جھلسا کر رکھ دیا ،دو درجن دوکانوں کو راکھ کا ڈھیر کر دیا، کئی موٹر سائیکلوں اور کشوں کو کباڑ بنا ڈالا، اس واقعہ میں درجن بھر کے قریب بے گناہ لوگ بھی زخمی ہوئے۔

اس سارے واقعے کے ذمہ دار کون ہیں ؟اس جیسی غلیظ حرکتیں آئے روز کیوں ہوتی ہیں، بالخصوص پاکستان ان مذموم حرکات کا مسکن کیوں بنا ہوا ہے؟ توہین رسالت کے مذموم واقعات کے بعد ملزمان کو نشان عبرت کیوں نہیں بنایا جاتا ؟ان حادثات کے بعد قومی اور بین الاقوامی میڈیا کیوں ملزمان کی بے گناہی کے لیے دھاڑیں

مار کر رونا شروع کر دیتا ہے؟سیاسی شخصیات کیوں ملزمان کی سرپرستی کے لیے مجبور ہو جاتے ہیں؟اور کیوں توہین رسالت کے مقدس قانون کو ختم کرنے کا ڈھنڈورا پیٹنے لگتے ہیں؟انسانی حقوق کی آڑ میں اپنے خفیہ عزائم کے لیے سرگرم بین الاقوامی این جی اوز اور تنظیمیں کیوں گستاخوں کی معصومیت اور بے گناہی ثابت کرنے کے لیے پر مارتی ہیں اور کیوں اس مقدس قانون کو انسانی حقوق کے خلاف گردانتی ہیں؟گستاخ رسول کو کیوں ذہنی مریض بنا کر چھوڑ دیا جاتا ہے؟توہین رسالت کو ذاتی دشمنی کے ساتھ کیوں نتھی کیا جاتا ہے؟آخر کیا وجہ ہے کہ ہر مہینے اس طرح کی مذموم کاروائیاں شہ سرخیوں کی زینت بنتی ہیں؟کیا وجہ ہے کہ اب تک 58اسلامی ممالک افضل البشر محمد ﷺ کی حرمت کی خاطر متحد ہو کر موثر حکمت عملی طے نہیں کر پائے؟کیاامت مسلمہ وسائل اورافرادی و مالی بحران کا شکار ہیں؟

نہیں ہرگز نہیں!بلکہ امت مسلمہ کرہ ارض پر موجود196ممالک میں سے58ممالک کی مالک ہے،کائنات میں بسنے والے چھ ارب کے قریب انسانوں میں سے سوا ارب سے زائد بہترین نفوس پر مشتمل ہے،دنیا کے معدنی ذخائر میں سے 75فیصد کی مالک ہے،دنیا کی بہترین بندرگاہیں، گزرگاہیں آبی،زمینی اور فضائی راستے،بہترین دریا،عمدہ نہریں تیل کے کنویں،سونے کی کانیں،زرخیز زمینیں،محنتی کسان،مشکل وقت میں اپنی جانوں پر کھیل کر دشمن کو ناکوں چنے چبوانے والی

دنیا کی بہترین فوج ،اعلیٰ دماغ باصلاحیت نوجوان بھی امت مسلمہ کے پاس ہیں ،اور دنیا کے مذاہب میں سے غالب مذہب ،کائنات کے افضل ترین نبی ﷺ اور دنیا کی لائبریریوں میں موجود کروڑوں کتب میں سے اعلیٰ ،ارفع اور کامل مکمل کتاب بھی مسلمانوں کے پاس ہے ،اور 58 اسلامی ممالک میں سے ایٹمی قوت پاکستان کے پاس ہے الغرض بے شمار نعمتیں ،بے انتہاء مال و دولت اور مختصر زندگی کو پر سکون بنانے کے لیے، دین اسلام کے بہترین اور آسان قواعد وضوابط اور قدم قدم پر راہنمائی کرنے والے نبی مصطفیٰ ﷺ کے مبارک فرامین مسلمانوں کے پاس ہیں، مگر افسوس ! ان سب خوبیوں کے باوجود مسلمان مغلوب اور محکوم ہیں۔دنیا پر صدیوں حکمرانی کرنے والی باکمال قوم عیش وعشرت میں ڈوبی ہوئی ہے ،خواہش نفس کی خاطر اپنے آقا ﷺ کی حرمت پر ڈاکہ زنی کرنے والوں کو تہ وتیغ کرنے سے گریزاں ہے۔ مصلحت اور حکمت کی گھسی ہوئی چادر کو اوڑھے ہوئے ہے ،اغیار کی ریشہ دوانیوں ،چالبازیوں،اور خفیہ عزائم سے غافل ہے۔ کتنی غیرت اور شرم کی بات ہے کہ مسلمان اب تک محسنِ کائنات جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی ناموس کی خاطر متحد ہوسکے ،نہ دریدہ دہن ملعونوں کو لگام دے سکے غیروں کی لگائی ہوئی آگ میں گرنے والے پتنگوں کو بچاسکے ،نہ اس آگ کو بھڑکانے، والے شریروں کو پکڑ کر عبرتناک انجام تک پہنچاسکے ۔

آئے روز رونما ہونے والے ان مذموم واقعات کی روک تھام اور ناموس رسالت کے

تحفظ کی خاطر اور متذکرہ سوالات کے حل کے لیے موثر حکمت عملی اور کامیاب پالیسی کی ضرورت ہے۔اس کے لیے سب سے پہلے پوری قوم کو عملاً دلوں میں عشق مصطفوی ﷺ کی حرارت کو جلانا ہوگا' تحمل و برداشت کی کامیاب پالیسی کو اپنانا ہوگا، منافق بدطینت اور شریر لوگوں کی نشاندہی کرکے انہیں نشان عبرت بنانا ہوگا،اور سب سے اہم کام جو ان واقعات کی روک تھام کے لیے ناگزیر ہے وہ اغیار کی خفیہ سازشوں اور ناپاک عزائم کو سمجھ کر ان کے سد باب کے لیے عملاً کمربستہ ہونا ہوگا، کیوں کہ پاکستان میں ،امن وامان کی ابتر صورتحال ہو یا قتل وغارت گری اورفرقہ ورانہ فسادات ہزارہ برادری کا قتل عام ہو یا علماء وطلباء جیسی پاکیزہ ہستیوں کی شہادتوں کا تسلسل، کراچی اور بلوچستان میں بے گناہ اور معصوم لوگوں پر ڈھائے جانے والے اندوہناک، مظالم ہوں یا بازاروں اور مساجد میں کیے جانے والے بم دھماکے ،آئے روز توہین رسالت پر ڈاکہ زنی کی واردتیں ہوں یا ان واقعات کی آڑ میں شریر اوربدمعاش ٹولوں کی ہنگامہ آرائی اور لوٹ مار کی دل دہلادینے والی خبریں ،توہین رسالت کے قانون کو ختم کرنے کی صدائیں ہوں یا آستین کے سانپوں کی اپنے ہی محسنین کے خلاف ہرزہ سرائیاں ،سب کی تاریں اغیار کی اسٹیشنوں سے ہلتی ہیں۔اس جیسی تمام مذموم حرکات کے ماسٹر مائنڈوہ دشمنان اسلام وپاکستان ہیں جو پاکستان کے وجود کے درپے ہیں۔آپ خود فیصلہ کریں کہ آخر کیا وجہ ہے کہ ہر دوسرے دن کوئی نہ کوئی ایسا واقعہ جس سے ملکی امن امان خراب ہو، پاکستان کی بدنامی

ہو ،اور بین الاقوامی سطح پر پاکستان کے خلاف ایک برا تاثر قائم ہو کیوں رونما ہو جاتا ہے ؟کیا کسی اور ملک یا پڑوس میں واقع گنجان آبادی والے بھارت ،ایران چین جیسے ممالک میں بھی آئے روز اس طرح کے حادثات ہوتے ہیں ؟۔۔

ملکی بقاء اور سلامتی کے لیے ان خفیہ عزائم پر نظر رکھنا اور ان کا قلع قمع کرنا ناگزیر ہے اور کسی بھی طرح ملکی امن امان میں رکاوٹ بننے والے افراد یا اداروں کو سزا دینا، وقت کی پکار اور اشد ضرورت ہے' توہین رسالت کے مرتکب ملعونوں کو فی الفور جہنم واصل کرنا بھی ضروری ہے 'اگر ایک بھی ملعون کو بروقت کیفر کردار تک پہنچا دیا جائے تو آئندہ کسی بھی شخص کو زبان درازی کی ہمت نہ ہوگی اور نہ بادامی باغ جیسے المناک حادثات رونما ہوں گے ۔خدارا! اپنے دشمنوں کو پہچانیں 'ان کی خفیہ سازشوں کو بے نقاب کریں 'اپنے آشیانوں کو اپنے ہی ہاتھوں جلا کر بھسم نہ کریں ،اپنے ہم وطنوں کو یوں درماندہ نہ کریں ،اس طرح کی حرکات سے اپنی اور اپنے وطن کی ساکھ کو گندا نہ کریں ،دین اسلام کی حقیقت اور حقانیت پر کسی بھی قسم کی آنچ یا حرف آنے کے تمام ذرائع کا قلع قمع کریں اور ناموس رسالت کے تحفظ کے لیے رسمی احتجاج اور چند ایک ریلیوں کی بجائے موثر اور فیصلہ کن جنگ لڑیں ،مگر اپنوں سے نہیں اغیار سے ! تاکہ اصل دشمن بے نقاب ہو سکیں اور آئندہ کسی کو رحمۃ اللعالمین ﷺ کی ذات بابرکت

پر انگلی تک اٹھانے کی جرات نہ ہو۔خدار ! سنبھل جایئں اور اپنے دشمنوں کو پہچان لیں۔

مدارس کی پرامن فوجیں

چودہ صدیاں قبل ارض مقدس کے ایک کچے چبوترے سے پروان چڑھنے والے یہ مدارس صدیوں پرانے ورثے کے امین ہیں۔ دنیا کو ترقیوں کے مینارے عبور کرانے والے علوم سماویہ کے نگہبان اور محافظ ہیں۔انسان کو تسخیر کائنات کی راہ دکھانے والے یہ مکتب 'اسرارِ بقاء عالم اور اس کے معماروں کی حیات جاودانی کے سرکردہ رہبر ورہنما ہیں۔درندوں اور وحشی نما جنگلی جانوروں کو اشرف المخلوقات کا حقیقی مطلب سمجھانے والے یہ مدارس 'دنیامیں کشت وخون ، ظلم وبربریت ،اورآتش کدوں ومے خانوں کی ظلمتوں میں شمعِ علم سے چراغاں کرکے آفتاب ومہتاب کو شرمندہ کرنے والے ہیں۔تہذیب انسانی، منصب امامت واقتدا کے رازِ پنہاں آشکارا کرنے والے یہ مدارس دینیہ ہر طرح کے آلام ومصائب میں انسانیت کے غم گسار رہے اورانشاءاللہ تاقیامت رہیں گے ۔انبیاءکے ورثاء تخلیق کرنے والے یہ مدارس اعلی واشرف مذہب اورسرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو نسل نوتک منتقل کرنے والے ہیں۔انسانی حیات کے لیے آب حیات اور بقاء فسادِ کائنات کے لیے مثل شمشیر ہیں۔

اسلام کی آمد ہی سے ان مدارس ومکاتب کی فضاء ہموار ہونا شروع ہو گئی تھی ۔وقت کے سیلان کے ساتھ ساتھ ان کا بہاؤ اور رفتار رواں ہوتی رہی ۔اوقات مختلفہ میں مقامات

مختلفہ ان کے وجود سے اپنی شان وشوکت دوچند کرتے رہے۔ کبھی بصرہ تو کبھی کوفہ کبھی بخارا تو کبھی دار اوسمرقند، کبھی مدینہ، مصر وعراق تو کبھی ہسپانیہ کو اپنے علوم سے، درخشاں کرتے رہے اور، نعمانؒ واحمدؒ، شافعیؒ ومالکؒ، بخاریؒ وترمذیؒ، غزالیؒ ورازیؒ سیوطیؒ وقرطبیؒ، عسقلانیؒ وقاریؒ، جیلانیؒ وبغدادیؒ جیسی عظیم ہستیاں پیدا کرتے رہے، ۔بارہویں صدی ہجری میں مدارس کا یہ سلسلہ عرب وعجم سے ہوتا ہوا برصغیر تک دراز ہوگیا۔ یہاں سلطنت اسلامیہ اپنی آٹھ سو سالہ زندگی کی آخری سانسیں لے رہے تھی لیکن اسلام پسند حکمرانوں کے وجود سے فضاء ابھی معطر تھی۔ جس کے سبب مختصر عرصہ، میں ان مدارس کے سینوں میں پیوست وراثت علمی خلق خدا کو ملتی رہے۔ شاہِ عالمگیر کا دور اس حوالے سے ایک تاریخی دور ہے جس نے مدارس کی شان وشوکت بڑھانے کے لیے بے شمار علمی خدمات سرانجام دیں، اس کی مثال کے لیے فتاوی عالمگیریہ کافی ہے ۔سقوطِ سلطنت اسلامی کے بعد فرنگیوں نے جہاں اسلام اور اہل اسلام کے وجود پر وار کیے وہیں ان مدارس کو بھی اپنی ہوس کا نشانہ بناتے ہوئے ان کی اساس اور نظریات کو تبدیل کرنے کے لیے مختلف حربے آزمائے۔ 1857ء کی جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد مسلمانوں کو سہارا دینے کی خاطر خلقِ خدا کا درد دل رکھنے والے صاحب علم وعمل لوگ مدارس کی بقاء کے لیے کمربستہ ہوگئے۔ 1866ء میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے علوم اسلامیہ کے خزانوں کو محفوظ بنانے کے لیے دارلعلوم دیوبند کے نام سے ایک دینی مدرسہ کی بنیاد رکھ کر مدارس کے اس سلسلہ کو دراز کیا، جو نامساعد حالات میں اپنی طاقت سے بڑھ کر ہندوستان کے محکوم عوام کے عقائد ونظریات، عبادات ومعاملات سیاست ومعیشت کی نگہبانی اور ان کو تروتازہ کرتا رہا۔ ان،

مدارس کے فیض یافتہ علماء نے آزادی ہند میں بنیادی کردار ادار کیا جن کے احسانات سے آج بھی پاک وہند کے سر جھکے ہوئے ہیں۔

چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود آج بھی صفہ کے چبوترے سے اپنی زندگی کا آغاز کرنے والے یہ مدارس پوری آب وتاب کے ساتھ چمک دمک رہے ہیں اور امت مسلمہ کی راہنمائی کے لیے ایسی فوجیں تیار کررہے ہیں جو خود آج کے پر فتن وپر شکن دور میں حالات کی نزاکتوں اور خار دار راہوں پر چل کر اندھیروں میں بھٹکنے والے لوگوں کے ہاتھ میں مشعلیں تھماتے ہیں۔یہ مدارس معاشرے کی روح ہیں ان کے بغیر معاشرے ویرانے اور کھنڈرات لگتے ہیں۔ان مدارس کی تیار کردہ فوج انسان کو ابتداء سے انتہاء تک سلیقہ سے زندگی گزارنے کا طرز عمل سکھاتے ہیں۔دنیا کی فوجیں مملکتوں اور سرحدوں کی محافظ ہوتیں ہیں،ان کے بغیر کسی بھی ملک اور کسی بھی قوم کی شناخت اور وجود کا تصور محال ہے،یہ فوجیں ملک وقوم کی بقاء کی اساس ہوتے ہیں۔مدارس اسلامیہ کی تیار کردہ فوجیں بھی انسانی حیات کو لاحق خطرات سے بچاتی ہیں،ان کے عقائد ونظریات کی نگہبانی کرتی ہیں،ان پر ڈاکہ زنی کرنے والے خون آشام بھیڑیوں کی نشاندہی کرکے نشانِ عبرت بناتی ہیں۔دنیا کی فوجوں کا ایک دائرہ کار ہوتا ہے،ایک حد اور سرحد تک وہ اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھا سکتی ہیں،شجاعت وبہادری سے دشمن کو مرعوب کرسکتی ہیں مگر مدارس کی یہ فوجیں پوری انسانیت کے لیے ہیں،پوری دنیا میں اپنے سینوں میں محفوظ ہتھیاروں سے انسانیت کو کند کرسکتی ہیں،ہر کسی کو اپنے اندر موجود علوم الٰہیہ کی حرارت سے گرما سکتی ہیں۔ان کے لیے رنگ

ونسل، قوم وقبائل، ملک وشہر کی کوئی قید نہیں، کسی ملک کی آب وہوا ان کے مخالف نہیں ہر جگہ یہ خدائی علوم کی گرج پہنچانے کا حق محفوظ رکھتی ہیں۔ مدارس کی یہ فوجیں پوری انسانیت کی بقاء کا راز ہیں ان کے بغیر اسلامی معاشرہ کی شناخت و پہچان ہیچ اور ناممکن ہے۔ یہ فوجیں انسانی عقائد و نظریات، معاملات وعبادات ہی کی محافظ نہیں بلکہ "العلماء ورثۃ الانبیاء" کی رو سے انبیاء کرامؑ کی میراث کی بھی نگہبان ہیں۔

اپریل اور مئی کے دو مہینے مدارس کے موسم بہار کے مہینے کہلاتے ہیں۔ ان میں مدارس کی فصلیں پک کر تیار ہو جاتی ہیں اور مدارس کی فوجوں کی تیاری کا مرحلہ مکمل ہو جاتا ہے۔ ان مہینوں میں مدارس کی فوجیں آٹھ سال تک اسلامی چھاؤنیوں میں تربیت مکمل کرنے کے بعد سند فراغت حاصل کرکے اپنے مربیوں سے نمدیدہ آنکھوں کے ساتھ آخری درس لے کر مختلف مقامات پر اپنی خدمات اور صلاحیتوں کے جوہر دکھانے کے لیے دستار فضیلت سر پر سجائے رخصت لیتی ہیں۔ یہ مبارک ایام ان کی زندگی کے یادگار لمحات ہوتے ہیں، اس موقع پر ان فوجوں کو غموم ومسرتوں کے دوہرے فلسفے سے پالا پڑتا ہے اور آٹھ سالہ مبارک زندگی میں وقتاً فوقتاً امتحانات کے نتیجے میں اپنے چمن سے فراق وصال کی گھڑیاں یاد آتی ہیں۔ شاید ہے کوئی ایسا سپاہی ہو جسے گلشن میں داخل ہونے کا پہلا دن اور آٹھ سال قبل کے اس یادگار دن کے لمحات وکیفیات سے نسیان ہوا ہو، ورنہ تو ہر فوجی وقت رخصت کے یادگار لمحات کو یاد کرکے خدا کے حضور سر بسجود ہو جاتا ہے۔

مدارس کی موسم بہار کی آمد پر ہر مدرسہ اپنے چمن کی کلیوں وران کی خوشبوؤں سے معطر ہونے کے لیے ایک الوداعی تقریب منعقد کرتا ہے۔جس ییں آٹھ سال تک مبارک گلشن کی رونق کو دوبالا کرنے والے پھولوں کے والدین اوراعزہ اقارب کو دعوت دی جاتی ہے ، مشائخ وعلماء کو خصوصی طور پر ان کے سروں پر دستار فضیلت سجانے ، اور وعظ نصیحت کرنے کے لے بلایا جاتاہے۔ یہ تقریب دو طرح کی ہوتی ہے ،آٹھ سالہ درس نظامی سے فراغت پانے والے طلباء اور حفظ قرآن کریم کی تکمیل کرنے والے حفاظ کرام کے اعزاز میں دستار فضیلت اور درس نظامی سے فراغت حاصل کرنے والی طالبات کے اعزاز میں دوپٹی پوشی کے عنوان سے منعقد ہوتی ہیں۔ امسال بھی مدارس دینیہ نے تقریبا58ہزار حفاظ کرام، 8ہزار علماء کرام، 16ہزار طالبات کی ایک بہت بڑی فوج تیار کی ہے اور ان کے اعزاز ییں پاکستان کے مختلف مقامات پر، پر کیف تقاریب بھی منعقد ہورہی ہیں۔اس کے علاوہ آئندہ سال مارچ کے مہینیے میں وفاق المدارس العربیہ اپنے قیام کے 50سال سے زئد مکمل کرنے پر ایک گولڈن جوبلی تقریب منعقد کررہاہے، جس میں تقریبا گزشتہ 56سالوں میں مدارس سے فراغت حاصل کرنے والے 9لاکھ کے قریب علماء کو دستار فضیلت پہنائی جائی گی۔

ان حقائق کی روشنی میں مدارس کی کردار کشی ،مدارس کو دہشت گردی کے اڈے کہنے والوں اور ان پر انگلیاں اٹھانے والوں کو تحمل اور صبر سے کام لیناچاہیئے اور بلاوجہ، بن دیکھے اور سوچ سمجھے بغیرمدارس کے بارے میں حتمی رائے قائم کرنے سے گریز کرنا چاہیے ۔مدارس کی ان بابرکت تقریبات میں شرکت کرکے اپنے اس سفلی ذہن کی آبیاری کرنی

چاہئے ۔ یہ مدارس اسلام کے قلعے اور مراکز ہیں، یہاں خالص اسلامی فوجیں تیار ہوتیں ہیں جو امت مسلمہ کے عقائد و نظریات ، عبادات اور معاملات کی پاسبانی کرتیں ہیں ۔ یہ فوجیں اسلام اور اسلامی تعلیمات کی وارث اور محافظ ہیں ۔ ملک و قوم اور معاشرے کی اصلاح کے لیے کارآمد ہتھیار ہیں۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے ان ہتھیاروں کو کند رکھا جائے اور مدارس کے ساتھ محبت وہمدردی والا تعلق قائم کیا جائے اور ان کی حفاظت وترقی اور مضبوطی کے لیے کوششیں کی جائیں اور صلاحیتیں بروئے کار لائیں جائیں۔ اس کی ایک بہترین صورت یہ ہے کہ اپنی اولاد کو ان مدارس میں داخل کروایا جایا اور ان مدارس سے فراغت پانے والے علماء کرام کی ان فوجوں کی قدر اور ان کا احترام کیا جائے ۔

پندرہویں صدی کا اعجازِ قرآنی

25مارچ 2012ء کا دن تھا۔ارض وفلک کی گردش رواں دواں تھی۔ہر شئے اپنے محور کے ارد گرد گھوم رہی تھی،چرند پرند اپنی نغمہ خوانیوں سے فضاؤں میں رس گھول رہے تھے۔بشر انسانی ہجوم در ہجوم روزمرہ معمولات کی انجام دہی میں مصروف عمل تھے۔نظامِ عالم حسب عادت پوری آب وتاب سے جاری تھا۔شہر کا ماحول پرامن تھا ،لوگ معمولاتِ زندگی سمیٹ کر ایک عظیم الشان اجتماع میں حاضری کے لیے بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔روشنیوں کا شہر لہولہان تھا،پھر بھی لوگوں کا جوش وخروش دیدنی تھا۔آنکھیں اس منظر کو دیکھنے کی منتظر تھیں،کان کلام الٰہی سننے کی سعادت کے لیے اٹھے ہوئے تھے اور ہر شخص کلام الٰہی سے سینوں کو معطر کرنے کے لیے خلوص دل اور صمیم قلب کے ساتھ اس بابرکت تقریب کے آغاز کا منتظر تھا۔

بہرحال وقت مقررہ پر کلام الٰہی سے اس پررونق محفل کا آغاز ہوا۔مہمانانِ گرامی جوق درجوق تشریف لانے لگے،سامعین پہلے سے نشستوں پر بیٹھ چکے تھے،مجمع کی تعداد ہزاروں میں تھی،دور دور تک انسانی سروں کے سوا کچھ نظر نہیں آرہا تھا،جلسہ گاہ میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ادھر سٹیج پر ملک کے نامور

علماء کرام و مشائخ عظام جلوہ افروز تھے۔مدعوینِ محفل اپنی باری پر سامعین کے دلوں کو گرمارہے تھے۔دوسری طرف سرد ہوائیں چل رہی تھیں، موسم کی جفاکشی بھی جاری تھی،حاضرین محفل ٹھٹھر رہے تھے،لیکن اس کے باوجود تقریب نہایت شستگی اور روانی سے چل رہی تھی،لوگ دلجمعی سے مہمانوں کے بیانات سن رہے تھے۔

پھر یکدم پوری محفل پر سناٹا چھاگیا،ایک بارعب لحیم شحیم آدمی مائیک پر آئے اور سامعین سے مخاطب ہو کر بولے "اب آپ کے سامنے ساڑھے چھ سال کی کمسن بچی تشریف لاتی ہیں جو تلاوتِ قرآن پاک سے سامعین کو محظوظ کریں گی"۔یہ اعلان سننا تھا کہ جلسہ گاہ سے گردنیں سٹیج کی جانب اٹھنے لگیں،لوگ قابل رشک آنکھوں سے کمسن بچی کے دیدار کے لیے ترسنے لگے۔کچھ لمحات کے بعد سٹیج سے درد بھری،معصوم آواز میں قرآن کریم کی تلاوت سنائی دینے لگی،لوگوں پر ایک مرتبہ پھر سکتہ طاری ہوگیا،ہر زبان خاموش ہوگئی،ایک لمحے کے لیے ہر چیز پر جمود طاری ہوگیا۔پھر کلام الٰہی کے سحر میں سر شئے جھومنے لگ گئی،جلسہ گاہ "اللہ اکبر،سبحان اللہ،الحمدللہ اور بارک اللہ" کے نعروں سے گونج اٹھا۔کلام الٰہی کی برکات سے مجمع پر سکینہ نازل ہونے لگا،انوارات قرآن سے قلوب کی سیاہی دھلنے لگی،خشک نہریں بہنے لگیں،مرجھائے ہوئے پھول کھلنے لگے،پریشان حال اور مغموم لوگ خوشی سے جھومنے لگے۔قرآن پاک کے عمدہ طرز

بیان ، باکمال اسلوب ، لاجواب اعجاز اور بے نظیر کلام کا پندرہویں صدی میں عملی مظاہر ہ دیکھ کر لوگ حیرت زدہ رہ گئے۔

مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب جو اس محفل کے مہمان خصوصی تھے ۔انہوں نے جامعہ دارالعلوم رحیمیہ ملتان میں پندرہویں صدی کے اس اعجاز قرآنی کا تذکرہ فرماتے ہوئے کہا کہ " میں نے دل میں سوچا کہ اس بچی کو چند ایک سورتیں یاد ہوں گی اور اسے تیاری کروا کے لایا گیا ہوگا، میں اسی سوچ میں گم تھا کہ میزبان میرے قریب آئے میں نے ان سے پوچھ لیا کہ اسے کتنی سورتیں ، کتنا قرآن یاد ہے ؟" میزبان نے یہ سن کر مائیک اپنے ہاتھ میں لیا اور مجمع سے مخاطب ہوا کہ ' حضرت حقانی صاحب پوچھتے ہیں کہ اس بچی کو کتنا قرآن یاد ہے ؟" تو سن لیں ! یہ بچی پورے قرآن کی حافظہ ہیں اور اس نے الحمدللہ صرف تین ماہ میں قرآن پاک حفظ کیا ہے" ۔ یہ سن کر حقانی صاحب کے ساتھ موجود ایک قاری صاحب نے کہا" حقانی صاحب ! مجھے یقین نہیں آتا، اس بچی سے امتحان لینا چاہیے ، کہیں شہرت اور مفاد کی خاطر ان لوگوں نے یہ اعلان نہ کیا ہو؟" میزبان نے یہ گفتگو سن لی ۔اس نے دوبارہ اعلان کیا کہ " حقانی صاحب کے ساتھ تشریف لائے ہوئے پاکستان کے معروف قاری اس بچی کا امتحان لینا چاہتے ہیں" ۔ چنانچہ بچی کو دوبارہ بلایا گیا ، بچی پر رعب تھا نہ دبدبہ، خوف تھا نہ چہرے پر پریشانی کے آثار ، متانت سنجیدگی معصومیت اور بے فکری کے آثار اس بچی کے ننھے سے پھول پر

برابر چمک رہے تھے۔ بہرحال قاری صاحب نے بچی کا امتحان لینا شروع کیا" سورہ بقرہ کی آیت فلاں سناؤ، بچی نے بلاتامل پڑھنا شروع کردیا' فلاں سورۃ کی فلاں آیت سنائیں؟ بچی نے سنانا شروع کردیا۔یوں پانچ بار قاری صاحب نے مختلف مقامات سے اس بچی کا امتحان لیا، بچی نے بلا جھجھک کلام الٰہی پڑھ کر سنایا۔حاضرین مجلس اس عجیب وغریب منظر کو دیکھ کر حیران بھی ہوئے اور سجدہ ریز بھی ہوئے ،انہوں نے اعجاز قرآنی کا اقرار بھی کیا اور ساڑھے چھ سالہ بچی اور اس کے والدین واساتذہ کو داد بھی دی۔

قارئین کرام ! یہ اعجاز قرآنی پندرہویں صدی ہی میں ظاہر نہیں ہوا بلکہ نزولِ قرآن ہی سے اعجاز قرآنی کے یہ واقعات رونما ہورہے ہیں بلکہ خود نزول قرآن ایک معجزہ ہے۔ ماضی میں بھی حافظہ منیرہ کی شکل میں اعجاز قرآنی کا ظہور ہوتا رہا ہے۔چنانچہ امام محمدؒ نے ایک ہفتہ میں پورا قرآن حفظ کیا، بختیار کاکیؒ ماں کے پیٹ سے پندرہ سپارے حفظ کرکے آئے ، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ نے مالٹا کی جیل میں ایک ماہ کے مختصر عرصے میں ،استاذالعلماء حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم نے ستائیس دن میں ، حضرت علامہ علی شیر حیدری شہیدؒ نے تین ماہ میں قرآن پاک اپنے سینوں میں محفوظ کرکے دنیا کو حیران کیا۔اعجازِ قرآنی کے اس جیسے سینکڑوں واقعات ہیں۔

یہ قرآن ہی کا معجزہ ہے کہ اتنے قلیل عرصے میں دنیا کی سب سے بڑی کتاب چھ سال اور نو سال کے کمسن بچوں اور" ساٹھ سال کے بوڑھوں "کے سینوں میں محفوظ ہو جاتی ہے۔دنیا کی کوئی کتاب ایسی نہیں جو اس اعجازِ قرآنی کا مقابلہ کرسکے اور کوئی قوت ایسی نہیں جو اسے مٹاسکے۔دنیا کی مادی طاقتیں ،عیسائی مشنری خواہ کتنا زور لگالیں اور دولت لٹادیں،دجالی تنظیمیں اور این جی اوز چاہے رات دن ایک کردیں،کفریہ طاقتیں یکجا ہو کر عالم اسلام ،اہل اسلام اور دینی مدارس کے خلاف کتنا ہی پروپیگنڈہ کرلیں۔لیکن پھر بھی یہ قرآن ،یہ دین ،یہ اسلام ،یہ مدارس اور یہ حفاظ قران وعلماء دین مٹیں گے نہ دین اسلام اور لاریب کتاب پر ذرہ برابر آنچ آنے دیں گے۔یہ مقدس کتاب توہین، آمیز واقعات سے مجروح ہوتی ہے نہ اس کا اعجاز قرآنی ختم ہوتا ہے اور نہ بھوک ہڑتال کرنے والے گوانتانا موبے کے قیدی ہلاک ہوتے ہیں مگر اس جیسے واقعات سے حافظہ منیرہ جیسی کمسن بچیوں اور بچوں کے دل ضرور چھلنی ہوتے ہیں۔لاریب ہے یہ بات' کہ قرآن اور اعجاز قرآنی ختم نہیں ہو سکتے کیوں کہ قدسی الاصل ذات نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اٹھائی ہے۔ہاں مگر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ مسلمانوں کی غفلت ،بے حسی اور خاموشی سے اغیار کو آگے بڑھنے کا حوصلہ ضرور ملتا ہے ۔ضرورت اس امر کی ہے ! کہ مسلم ممالک کے حکمران بالخصوص ملک پاکستان کے ارباب اقتدار حافظہ منیرہ جیسی بچیوں اور بچوں کو پروموٹ

کریں، جن درسگاہوں سے یہ فیض یاب ہوتے ہیں ان کی قدر اور احترام کریں، ان کے خلاف بے بنیاد پروپیگنڈہ کرنے سے گریز کریں۔ کیوں کہ یہ بھی ملالہ اور ارفع کریم کی طرح قوم کی بیٹیاں اور سرمایہ ہیں، سیدو شریف کالج کی طرح ان کے مدرسے بھی علم کے گہوارے ہیں۔ اسی طرح عوام الناس کو بھی پندرہویں صدی کے اعجاز قرآنی کے اس مبارک سلسلے کو آگے بڑھانے کے لیے عملاً اپنی اولاد کو مساجد و مکاتب میں داخل کروانا چاہیے۔

امن وامان قائم کرنے کا قرآنی فارمولا

امن امان پاکستان کا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے، جو گزشتہ کئی سالوں سے سلجھنے کی بجائے الجھتا جارہا ہے۔ دیکھا جائے تو ارباب حل وعقد اور ملک کی زمامِ اقتدار سنبھالے ہوئے حکمرانوں کی طرف سے ابھی تک اس مسئلہ کے حل کے لیے کوئی قابل رشک اور لائق تعریف کام نہیں کیا گیا، بلکہ ابھی تک اس مسئلہ کو حکومتی ترجیحات میں بھی شامل نہیں کیا گیا۔ پرویز دورِ آمریت میں بدامنی کی چنگاری سلگنا شروع ہوئی، پی پی "دور جمہوریت" میں اس چنگاری پر پانی چھڑکنے کی بجائے مٹی کا تیل چھڑکا گیا۔ نتیجتاً ملک کے چاروں اطراف میں اس چنگاری کے شرارے پھیلے جو آج خطرناک آلاؤ بن کر پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہیں۔ پاکستان کے چاروں صوبوں کے باشندوں کو بدامنی، قتل وغارت گری، ڈکیتی، عزت نفس کی ڈاکہ زنی جیسے بیسیوں مسائل کا سامنا ہے۔ بالخصوص کراچی، کوئٹہ، پشاور اور قبائلی علاقوں کے لوگوں کے لیے تو آئے روز لاشیں اٹھانا معمول بن گیا ہے۔ کہیں ڈرون حملوں کے چنگیزی لشکر نہتے معصوم بے گناہوں پر آگ کے گولے برساتے ہیں تو کہیں ننھے منے بچوں کے لیے تلاشِ رزق میں پھرنے والے مزدوروں کو گولیوں سے بھون دیا جاتا ہے، کہیں قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں لگانے والے مہمانان رسول کے مبارک اجسام کے چیتھڑے اڑائے جاتے ہیں، تو کہیں قوم کے معماروں کو

آلات صنعت وحرفت سمیت زندہ دفن کردیا جاتا ہے، کہیں مدن دیہاڑے نسلِ انسانیت کی راہنمائی کرنے والے درویش صفت بے گناہ علماء کرام کی زندگیوں کے چراغ گل کردیے جاتے ہیں تو کہیں روشنیوں کے دیپ جلانے والے معاشرے کی معزز ہستیوں کو سر عام خون میں نہلادیا جاتا ہے۔

آخر کیا وجہ ہے کہ اس قدر مظالم کے پہاڑ ٹوٹنے کے باوجود حکمرانوں کے سروں پر جوں رینگتی، نہ مظالم کی چکی میں پسنے والے مظلوم عوام اپنے ناحق خون کا حساب لینے کے لیے سر اٹھاتے ہیں؟ قرآن کی زبانی اس سوال کا جواب یہ ہے کہ "جو قوم اپنی حالت خود نہیں بدلتی اللہ بھی اس کی حالت نہیں بدلتا"۔ اگر حالات کے تناظر میں دیکھا جائے تو اب تک صحیح معنوں میں عوام کی طرف سے ان پر ہونے والی زیادتیوں کے سد باب اور ازالے کے لیے کوئی خاص مزاحمت نہیں کی گئی۔ بدامنی کے تمام مسائل کے رد عمل میں زیادہ سے زیادہ بات چند گھنٹوں کے روایتی احتجاج، توڑ پھوڑ، ہڑتالوں، ڈیوٹیوں سے انکار، حکومت مخالف نعرے بازی اور اپنے ہی ہم وطن بھائیوں کے راستے اور کاروبار بند کرانے تک جاتی ہے۔ دوسری طرف برسر اقتدار حکمران اور انتظامیہ وقتی مذاکرات اور محض دلاسہ دینے کے لیے "جھوٹے وعدوں" سے مظلوم عوام کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ کر "مسئلہ" کو داخل دفتر کردیتے ہیں جسے دیمک چاٹ چاٹ کر "سلجھا" دیتی ہے۔

امن وامان ، عدل وانصاف کسی بھی ملک کی بقاء کا ذریعہ ہوتا ہے۔اس کے بغیر ملک باقی رہتے ہیں ،نہ وہاں کے باشندے ،نشان عبرت کے لیے کھنڈرات ہی باقی بچتے ہیں۔تاریخ کے اوراق میں یہ بات محفوظ ہے کہ جب کبھی ظالم کے ساتھ رعایت برتی گئی،اسے مجرم کی بجائے شاہی مہمان بنایا گیا تو اس کے سنگین نتائج پورے ملک اور عوام کو بھگتنا پڑے۔ ہمارے ملک میں امن وامان کی راہ میں حائل سب سے بڑی رکاوٹ ظالموں، مجرموں اور غنڈوں کو تحفظ دینا اور ان کی شاہانہ مہمان نوازی کرنا ہے۔ دنیا کے کسی ملک میں مجرموں کو پوچھ کر گرفتار نہیں کیا جاتا، کسی ملک میں قتل کے مجرموں کو سالوں سال عوام کی کمائی سے روٹی نہیں کھلائی جاتی ، کہیں بھی سینکڑوں پھانسی کے مجرموں کو سالوں سالوں قوم کے خزانے پر ڈکار مارنے کے لیے نہیں بٹھایا جاتا۔مگر یہ پاکستان واحد ملک ہے جہاں یہ سب کچھ روا رکھا جاتا ہے۔یہاں مجرم کو مجرم نہیں سمجھا جاتا، قاتل کو قاتل نہیں کہا جاتا،اس کے ساتھ مجرموں والا برتاؤ نہیں کیا جاتا بلکہ "معزز مہمان "سے زیادہ اس کی آؤ بھگت کی جاتی ہے۔ دس دس گھنٹے سورج کی دہکتی آگ میں کام کرنے والے مزدوروں کے خون پسینہ سے سالوں سالوں قوم کے "مجرم "کا پیٹ پالا جاتا ہے۔یہاں 2008ء سے پھانسی کی سزا پانے والے تین سو سے زائد مجرموں کو ابھی تک پھانسی کے تختہ دار پر نہیں چڑھایا جا سکا؟۔یہاں ملک کے باغیوں اور معصوم بچوں بچیوں کے قاتلوں سے جیل کی بجائے پر تعیش فارم ہاؤسز میں تفتیش کی جاتی ہے ، ان کو ہتھکڑیاں لگا کر سلاخوں کے پیچھے دھکیلنے کی بجائے مخملوں

پر سلایا جاتا ہے۔ کس قدر افسوس ناک بات ہے کہ اٹھارہ کروڑ عوام کے محسن کو پوری دنیا میں رسوا کرنے والے" مجرم" کو جیل نہیں بھیجا جاسکتا، منصفین کے سامنے پیش نہیں کیا جاسکتا۔

ہمارا یہ دوہرا معیار اور رویہ ملک میں امن وامان، عدل وانصاف کے بیخ کنی کرنے کر رہا ہے، ورنہ ہمارا مذہب تو مساوات کا درس دیتا ہے۔ نبی آخر الزمان ﷺ نے چودہ صدیاں قبل قیامت تک آنے والی نسل انسانیت کو واضح پیغام دے دیا تھا کہ "کسی عربی کو عجمی پر، کسی گورے کو کالے پر کوئی برتری نہیں" ۔اللہ عزوجل نے تو تقویٰ کو معیارِ فوقیت قرار دیا، فرمایا "تم میں سب سے زیادہ معزز اللہ کے ہاں وہ ہے جو تقوی میں سب سے آگے ہو"۔ دینِ حمید کے ارکان بھی طبقاتی تفریق کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں، نماز کے دوران "صف بندی" بھی اس خود ساختہ تفریق کو مٹانے کا مطالبہ کرتی ہے ۔مگر افسوس !اسلامی جمہوری مملکت کے مسلم حکمران خدائی تقسیم پر عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہیں،اور اس کی سر عام خلاف ورزی کرتے ہیں۔

بدامنی ختم کرنے اور امن وامان برقرار رکھنے کے لیے ہر ملک میں مختلف طریقے رائج ہیں، کہیں انٹیلی جنس نیٹ ورک کو مضبوط بنایا جاتا ہے، کہیں پولیس اور امن وامان برقرار رکھنے والے اداروں کو فری ہینڈ دیا جاتا ہے، کہیں عدالت

کوآزاد کرکے امن وامان کو برقرار رکھا جاتا، تو کہیں ظالموں کو بروقت کیفر کردار پہنچا کر فساد کی جڑ کو کاٹا جاتا ہے۔ امن وامان برقرار رکھنے اور بدامنی ختم کرنے والے ان قوانین پر انحصار کیا جاسکتا ہے، نہ مکمل طور پر اطمینان سے بیٹھا جاسکتا ہے۔ مگر قانون الٰہی اور قرآنی فارمولے کو اپنا کر نہ صرف اطمینان سے زندگی گزاری جاسکتی ہے بلکہ پورے ملک اور پورے معاشرے میں بے مثال امن قائم کیا جاسکتا ہے۔ خالق کائنات نے اس قانون کو قرآن پاک میں یوں بیان فرمایا" تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے "۔ اگر قاتل سے بروقت قصاص لے لیا جائے، ظالم کے ظلم کا حساب فوراً چکا دیا جائے مجرموں میں طبقاتی تفریق کے ناسور کو جڑ سے اکھاڑ پھینک دیا جائے، انسانی ہمدردی، اور مظلوم عوام کی دادرسی کے لیے سچ کو فروغ دیا جائے، انصاف قائم کرنے والے اداروں کو چند ٹکوں کے عوض جھوٹی گواہیاں دینے والے گواہوں سے پاک کر دیا جائے عدالتوں کو تمام فیصلے بروقت نمٹانے کا آڈر کر دیا جائے، تھانہ کلچر، کچہری کلچر کو ختم، کر دیا جائے، تو دنیا کی کوئی طاقت ملک پاکستان میں امن وامان کی فضاء کو مکدر کرنے کی جرات کر سکتی ہے، نہ کوئی ایجنسی یا خفیہ طاقت ارض پاک کی مٹی کو ناحق خون سے رنگین کر سکتی ہے۔

ہمارے ہاں قوانین ہیں مگر ان کا اطلاق درست نہیں ہوتا، ظالموں کو پکڑنے والے ادارے ہیں مگر ان کی کارکردگی تسلی بخش نہیں ہوتی، عدالتیں ہیں مگر ان میں

عدل وانصاف فراہم کرنے والے تمام طریقوں کو درست سمت اپنایا نہیں جاتا، حکمران ہیں مگر وہ جراتمندی اور قوت فیصلہ کی شمشیر کے قبضہ کو نہیں پکڑتے ،دین اسلام ہے مگر اس کے بتائے ہوئے قوانین پر عمل نہیں کیاجاتا۔ اگر آج ہم دین اسلام کے ان عالمگیر قوانین کی پاسداری کرنا شروع کردیں،اور بے نظیر قرآنی فامولے کو اپنانا شروع کردیں تو وہ دن دور نہیں جب ملک پاکستان "ریاست مدینہ" کا حقیقی تصور پیش کرکے پوری دنیاکے لیے رول ماڈل بن جائے گااور ہمارے اسلاف کادیکھا ہواسہانا خواب پورا ہوجائے گا۔

انصاف

بابا جی کہانا یہاں پیسوں کے بغیر کام نہیں ہوتے !بیٹا غریب ہوں ،دو وقت کی روٹی" کے لیے پیسے نہیں اس کام کے لیے پیسے کہاں سے لاؤں؟بابا یہ حساس معاملات ہیں، روٹی نہیں کہ مانگے مل جائے اور جو چاہے مفت میں دیدے ،ایسے معاملات کے لیے تو لاکھوں لگانے کے باوجود بھی دھکے کھانے پڑتے ہیں،سالوں سالوں مشقتیں جھیلناپڑتی ہیں،پھر بھی کام ہوجائے تو غنیمت ورنہ ایسے کاموں کے لیے توزندگیاں بیت جاتی ہیں، نسلیں گزرجاتی ہیں،آس لگائے امیدیں ختم ہوجاتی ہیں"۔"ایس ایچ او"ابھی بات مکمل ہی کررہا تھاکہ اللہ بخش پھوٹ پھوٹ کر رونے لگ گیا۔60سالہ بوڑھے میاں کی ہچکیاں پورے تھانہ میں گونج رہی تھیں۔تھانہ کے تمام اہلکار بلک بلک کر رونے والے بوڑھے میاں کی طرف لپکے ،مگر افسوس ! کسی نے بڑھ کر بوڑھے میاں کے آنسو پونچھے ،نہ کسی نے تھپکی دے کر تسلی دی۔

اللہ بخش گاؤں کا رہنا والا تھا۔وہ بے چارہ اپنی زندگی کے قیمتی سرمایہ کی خاطر انصاف کی بھیک مانگنے تھانے آیا تھا۔تیس سال تک تپتی دھوپ میں دوڑ دھوپ کرکے ،سر پر منوں بوجھ لاد کر،روزانہ بے رحم مالکوں کی ڈانٹ ڈپٹ سن کراس نے اپنی اولاد کو چلنے پھرنے کے قابل بنایا تھا۔اس کی چار بیٹیاں اور ایک

بیٹا تھا۔ دو بیٹیوں کی شادی اس نے بڑی جان مار کر کی تھی، باقی دو بیٹیوں کے ہاتھوں کو حنا سے رنگین دیکھنا اس کا ایک خواب تھا جس کی تعبیر کے لیے وہ روز تدبیریں کرتا تھا۔ اس کا بیٹا محمد اکرم بہنوں سے چھوٹا تھا۔ وہ اپنے بوڑھے باپ کا سہارا بننا چاہتا تھا، اس نے میٹرک تک سکول کے اخراجات اپنی مدد آپ کے تحت پورے کیے تھے۔ چھٹی کے ٹائم وہ سکول کے باہر گول گپے کی ریڑھی لگاتا تھا اور اتوار کے دن باپ کے ساتھ دیہاڑی پر جاتا، یوں وہ اپنے اور اپنی دو چھوٹی بہنوں کے سکول کے اخراجات پورے کرتا۔ محمد اکرم نے ان آزمائشوں سے گزر کر میٹرک تو مکمل کر لیا۔ میٹرک کے بعد وہ اپنی تعلیم جاری رکھنا چاہتا تھا لیکن حالات کی تیز دھاری دھار تلوار ہر وقت اس کی گردن پر لٹکی رہتی، جس سے اس کی امیدیں دم توڑنے لگ جاتیں۔ ایک دن وہ یوں ہی پریشان بیٹھا گہری سوچوں میں گم تھا کہ اس کا بہت اچھا دوست نوید خلیل اس کے گھر آیا، نوید نے اس کی پریشانی معلوم کرنے کی کوشش کی تو محمد اکرم کے آنسو پانی کی طرح بہنے لگ گئے۔ نوید نے حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا: "یار! اکرم غربت اللہ کی آزمائشی نعمت ہے اس پر رونے کی بجائے صبر کرنا چاہیے، ان آزمائشوں کے بعد ضرور راحتیں تمہارا مقدر بنیں گی۔ اگر تمہاری قسمت میں آگے پڑھنا نہیں تو کیا ہوا؟ اللہ نے بے شمار راستے تمہارے لیے رکھے ہیں، کسبِ حلال کے ذریعہ اب تمہیں اپنے بوڑھے والدین اور بہنوں کا سہارا بننا چاہیے"۔

نوید خلیل کی باتوں سے محمد اکرم کے جذبات کو مہمیز ملی۔ گھر کا چراغ جلانے کے لیے اس نے روشنیوں کے شہر کا انتخاب کیا۔ والدین نے امن وامان کی مکدر صورتحال کے پیش نظر اپنے اکلوتے لخت جگر کو کراچی نہ جانے کا مشورہ دیا، لیکن حالات کی ستم ظریفیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے محمد اکرم نے جانے پر اصرار کیا۔ بوڑھے ماں باپ نے کسمپرسی کی زندگی سے نجات پانے اور دو بیٹیوں کے معصوم ہاتھوں میں مہندی رچانے کی خاطر محمد اکرم کو آنسوؤں کے سمندر کے ساتھ الوداع کہا۔ 25 جون 2012 کو محمد اکرم ماں باپ کی امیدوں، بہنوں کی خواہشوں اور اپنے گھر کی خوشحالی کی خاطر کراچی روانہ ہوا۔ یہاں آکر اس نے ایک ہوٹل پر ملازمت اختیار کرلی۔ چار ماہ تک وہ غموں کو بھلا کر دل لگی اور امانت داری سے ملازمت کرتا رہا۔ اس کی امانت، خوش اخلاقی اور کام سے محبت اور لگن دیکھ کر ہوٹل مالکان نے اسے مستقل ملازمت دیدی اور اس کی تنخواہ میں بھی اضافہ کردیا تھا۔ محمد اکرم ہر ماہ اپنی پوری تنخواہ اپنے والدین کے پاس بھیجتا اور والدین سے زندگی میں برکت اور کامیابی کی دعائیں لیتا۔ اس کی زندگی کی گاڑی وقت کی رفتار اور بہاؤ کے ساتھ پانچ ماہ تک یوں ہی چلتی رہی۔ پھر ایک دن محمد اکرم کی گاڑی کو حادثہ لاحق ہوا۔ چار بہنوں اور ساٹھ سالہ بوڑھے والدین کے اکلوتے سہارے کو گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے آرام کی نیند سلادیا گیا۔ محمد اکرم کے والدین کے لیے یہ حادثہ صرف صدمہ ہی نہیں تھا بلکہ جان لیوا واقعہ تھا۔ چنانچہ اپنے بے گناہ لخت جگر کی نعش دیکھ کر

محمد اکرم کی بوڑھی ماں دم توڑ گئی۔اس کا بوڑھا باپ سکتے میں آ کر بیہوش ہو گیا، بہنیں ہوش وحواس کھو بیٹھیں، گھر میں کہرام مچ گیا، پورے علاقے کی فضاء سوگوار ہو گئی۔ اس طرح کی اندوہناک مظالم صرف ایک بوڑھے اللہ بخش پر نہیں ٹوٹتے بلکہ ملک کے بیسیوں اللہ بخش ان مظالم کی چکیوں میں پِس رہے ہیں۔ طرفہ تماشا حکمرانوں کی غفلت کا ہے جو بجائے اللہ بخش جیسے مظلوموں کے سروں پر ہاتھ رکھنے کے ظالموں کی طرفداری کرتے ہیں،اور بڑی ڈھٹائی سے سرحد پار دشمنوں کے سروں پر محمد اکرم جیسے بے گناہوں کے ناحق خون کا الزام تھوپتے ہیں۔ حیرت اور تعجب ہوتا ہے ملک میں قانون نافذ کرنے والے اداروں پر جو قوم کے اربوں روپے کھانے کے باوجود بھی قوم کی جیبوں پر نظر رکھتے ہیں،اور ایک رپٹ بھی پیسوں کے بغیر درج نہیں کرتے۔ تعجب بالائے تعجب کچہریوں اور عدالتوں میں بیٹھے منصفین پر ہوتا ہے جو ان مظلوموں کے زخموں پر فوری مرہم رکھنے کی بجائے سالہا سال تک انہیں بستر مرگ پر علیل رکھتے ہیں۔ گزشتہ دنوں پنجاب کے وزیر اعلی میاں محمد شہباز شریف کی طرف سے پولیس کے نظام میں بہتری لانے کے لیے دبئی اور لندن طرز پر کمانڈ اینڈ کنٹرول سسٹم بنانے کا عندیہ دیا گیا، جو یقینا قابل ستائش اور لائق صد تعریف ہے۔اس سسٹم کے ذریعہ نہ صرف پولیس افسران کی مانیٹرنگ کی جاسکے گے بلکہ معاشرے میں امن وامان کی فضاء کو مکدر کرنے والے

سماج دشمن عناصر کو بھی کنٹرول کیا جاسکے گا۔بقول وزیراعلیٰ پنجاب یہ جدید نظام جرائم کی روک تھام ، مظلوموں کو فوری انصاف ،انٹیلی جنس شئیرنگ اور تھانہ کلچر کے خاتمہ میں ممد ومعاون بنے گا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ نظام اللہ بخش جیسے مظلوموں کی مرہم پٹی کے لیے کافی وافی ہوگا یا نہیں ؟جہاں تک جدید ٹیکنالوجی سے استفادے کی بات ہے تو اس سے کسی کو سرِ مو اختلاف نہیں،اگر بات اللہ بخش جیسے مظلوموں کی داد رسی کی جائے تو اس کے لیے یہ نظام اگرچہ مفیداور کارآمد ہے لیکن زخم بھرنے کے لیے کافی ہر گز نہیں ہے۔اس لیے اس جیسے جدید نظام کو بنانے سے پہلے پرانے نظام کی بہتری اور اس نظام کو داغدار کرنے والی 'موٹی تندوں "کے خلاف ہنگامی بنیادوں پر کام کیا جائے تو وہ بہت مفید ہوگا۔تھانہ کلچر کچہری اور عدالتی دھکے کوئی چار پانچ سال کا مسئلہ نہیں کہ اس کو فی الفور ختم کیا جاسکے، بلکہ یہ تو گزشتہ کئی دہائیوں سے انصاف کی راہ میں گلے کی ہڈی بن کر اٹکا ہوا ہے۔اس نظام کو پاک صاف بنانے کے لیے سب سے پہلے جاگیرداروں،وڈیروں اور سرکاری اہلکاروں کی اس میں بے جا مداخلت کو ختم کرنا ہوگا۔عوام کے زخموں پر فوری مرہم رکھنے کے لیے خدائی قوانین پر مکمل طور پر عملدرآمد کرنا اور انہیں بروئے کار لانا ہوگا۔فوری انصاف کی خاطر میزانِ عدل کو بے انصافی سے پاک رکھنا اور مساوات کی پالیسی کو فروغ دینا بھی ناگزیر ہے۔

قرآن کی نگاہ میں بوڑھے اللہ بخش کا مظلوم بیٹا محمد اکرم اور اورنگزیب خان کا مظلوم بیٹا شاہزیب خان دونوں برابر ہیں۔ عدالت کے لیے جیسے از خود نوٹس لے کر شاہزیب کے قاتلوں کو گرفتار کرنے کے لیے آئی جی سندھ اور وزیر داخلہ کو مہلت دینا اور پھر مفرور ملزمان کو سزائے موت سنانا لازم ہے وہیں محمد اکرم کے قاتلوں کی گرفتاری کے لیے آئی جی سندھ اور وزیر داخلہ کو متنبہ کرنا بھی ضروری ہے۔ تھانہ کلچر کے خاتمے اور فوری انصاف کی فراہمی کے لیے نئے نظام ضرور بنائے جائیں مگر خدائی نظام سے ہرگز غفلت نہ برتی جائے۔ ہماری ترقی کا راز جدید ٹیکنالوجی کے ضمن میں ہرگز پوشیدہ نہیں یہ تو اسباب کے درجہ میں ہیں، اصل ترقی کا راز اسلام کے سنہری اصولوں میں مضمر ہے۔ لہٰذا ملک میں اللہ بخش جیسے مظلوموں کو تھانے ہیں فری رپٹ درج کروانے اور فوری انصاف کی فراہمی کی خاطر واحد اسلامی سسٹم پر عمل کرنا وقت کی اور ملک کی اشد ضرورت ہے۔ ورنہ اس ملک میں سی آئی اے، ایف بی آئی اور دبئی اور لندن طرز کے کمانڈ اینڈ کنٹرول سسٹم ہرگز اللہ بخش جیسے مظلوموں کے زخموں پر مرہم نہیں رکھ سکتے

۔

رشوت

رشوت بدعنوانی کی ایک قسم ہے۔جس میں پیسے یا تحفہ دینے سے وصول کردہ کا طرز عمل تبدیل ہوتاہے۔ قانونی ،لغتی معنوں میں کسی سرکاری افسر یا کسی عوامی یا قانونی امور کے مجاز کے عمل کو متاثر کرنے کے لیے کسی قدر کی شئے کی پیشکش ،دینا،وصولی یا مانگنا رشوت کہلاتاہے۔بعنوان دیگر کوئی کام نکالنے یا کسی پر ظلم کرنے یا کسی کا حق مارنے کے لیے جو روپیہ یا پیسہ یا کوئی اور چیز وصول کی جائے یادی جائے اسے رشوت کانام دیاجاتاہے۔ رشوت کا مقصد وصول کنندہ کے اعمال پر اثرانداز ہونا ہوتاہے۔دنیا کے مختلف ممالک میں بعض قسم کی رشوت کو قدرے قبولیت حاصل ہے ،مثلاًامریکہ میں سیاست دانوں کو نقد رقوم بطور سیاسی مدد دی جاسکتی ہے جو بعض دوسرے ممالک میں غیر قانونی رشوت تصور ہوتی ہے۔بعض عرب ممالک میں اہلکاروں کو"بخششیں"ادا کی جاتی ہیں جو غیر قانونی نہیں سمجھی جاتی۔بدترین قسم کی رشوت وہ ہے جو قیدیوں کے لواحقین سے وصول کی جاتی ہے ،اس کے بدلے قیدیوں اور لواحقین کے ساتھ معاونت والانرم سلوک کیا جاتاہے۔اس کا راج پرانے زمانے میں برطانیہ جیسے دیگر ممالک میں بھی رہاہے اور موجودہ زمانہ میں پاکستان جیسے ممالک میں بھی ملتاہے

۔

رشوت ایک سنگین جرم ہے۔اسلام میں رشوت کھانا، لینا دینا حرام تصور کیاجاتاہے۔اس کی ممانعت قرآن وحدیث میں بار بار وعیدات کی شکل میں وارد ہوئی ۔ارشاد باری ہے کہ "آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقہ سے نہ کھاؤ اور نہ مال کو حاکموں کے پاس رشوت کے طور پر اس غرض سے پہنچاؤ کہ لوگوں کے مال میں سے تھوڑا بہت اس کو جان بوجھ کر جائز طور پر کھاؤ"۔سرور دو عالم ﷺ نے رشوت لینے اور دینے والے (دونوں) پر لعنت فرماتے ہوئے کہا کہ " راشی اور مرتشی دونوں جہنمی ہیں"۔ دوسری جگہ فرمایا کہ اللہ راشی اور مرتشی دونوں پر لعنت بھیجتے ہیں"۔رشوت کا دائرہ کار بہت وسیع ہے۔ حصول منصب، غیر حقدار کو نوکری دینے، کسی ادارے کا ٹھیکہ حاصل کرنے کے لیے اور چالان وغیرہ سے بچنے کے لیے پولیس افسر کو رشوت دینا بہت عام ہے۔اس کے علاوہ قیدیوں سے ملاقات کرنے سرکاری اداروں میں جلدی کام کروانے یا مفت کام کروانے، تعلیمی اداروں میں، دھکوں سے بچنے اور ٹرین وغیرہ پر مفت سفر کرنے کے لیے بھی رشوت دی جاتی ہے ۔رشوت کی یہ تمام اقسام نہ صرف شرعاً مذموم ہیں بلکہ اخلاقاً اور قانوناً بھی جرم ہیں۔ رشوت کے اجتماعی وانفرادی بہت سے نقصانات ہیں۔ رشوت انسانی سوسائٹی کے لیے ایک رستہ ہوا ناسور اور مہلک مرض ہے جو کینسر بھی زیادہ خطرناک ہے، بایں

طور کہ جو اس کا شکار ہوتا ہے تو رشوت اس کو لقمہ جہنم بنادیتی ہے ،جب کہ کینسر کا مرض ایسا نہیں ہے ۔جب کسی معاشرے میں رشوت کی بیماری عام ہوتی ہے تو وہ پہلی فرصت میں عدل وانصاف کا گھلاگھونٹ دیتی ہے جس کے نتیجہ میں ایک پرامن معاشرہ انتشار وخلفشار کا شکار ہوجاتا ہے ۔انسانی افراد میں اخوت ، محبت ، ہمدردی ، بھائی چارگی کے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں۔ بغض وعناد ، نفرت ، عداوت ، شقاوت ، خیانت امن وشانتی ، صلح وآشتی کا خرمن جل کر پیوند خاک ہوجاتا ہے ۔ معاملات میں دھوکہ دہی ، جھوٹی گواہی ظلم وتشدد اور اس جیسے دیگر افعال قبیحہ کی وجہ سے سماج کا ہر فرد وبشر ایک دوسرے پر ، جبر واستبداد کو اپنا شعار بنالیتا ہے ۔ یہ سب ایسے مبغوض جرائم ہیں جو اللہ عزوجل کی ناراضگی اور مسلمانوں میں بغض وعداوت اور عام فتنوں کا سبب بنتے ہیں۔یہی وجہ ہے آج سب سے زیادہ قدرتی وسائل کے مالک اسلامی ممالک بدامنی ،انتشار وخلفشار اورآپس میں بغض وعناد کے متعدی امراض کا شکار ہیں۔ بالخصوص اسلامی جمہوریہ پاکستان رشوت کے گند میں بری طرح لتھڑا ہوا ہے جس کی وجہ سے اکثراوقات بین الاقوامی فورم پر جگ ہنسائی کا سبب بنتا رہتا ہے ۔ گزشتہ دنوں پنجاب کے وزیر جیل خانہ جات چوہدری عبدالوحید آرائیں نے بھیس بدل کر لاہور کی ایک جیل کا دورہ کیا، قیدی سے ملاقات کرنے کے عوض وزیر جیل کو پولیس اہلکاروں کو گیارہ سو روپے کا نذرانہ دیناپڑا۔اس واقعہ کو الیکٹرانک میڈیا کے ساتھ ساتھ پرنٹ میڈیا نے بھی ہائی لائٹ کیا، جس سے پوری دنیا میں پاکستان کے بارے میں

بدعنوانی کی فضاء ہموار ہوئی۔ وزیر جیل خانہ جات نے اگرچہ رشوت لینے والے پولیس افسروں کو معطل کرکے رشوت کے کینسر کے خلاف مہم چلادی لیکن یہ مہم اتنی طاقت ور نہیں جس کے دور رس نتائج نکل سکیں۔ ماضی میں رشوت کے خلاف حکمرانوں کے دعوے اور بیانات آج بھی داخل دفتر ہیں مگر کسی حکمران یا منتظم یا منصف نے صحیح معنوں میں معاشرے کی اس لعنت کو ختم کرنے کے لیے کوئی قابل ذکر کام سرانجام دیا نہ اس کے لیے کوئی قابل ذکر کارکردگی دکھائی۔

رشوت ستانی کے انسداد کے لیے آئین و قانون پہلے سے موجود ہیں مگر : ع "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی"۔

مرض کی تشخیص اگر صحیح ہو اور علاج غلط ہو تو مرض میں افاقہ کی بجائے اضافہ ہی ہوتا ہے۔ رشوت جیسی دیگر بیماریوں کے لیے حکومت نے قانون تو وضع کیے ہوئے ہیں مگر امانت، دیانت اور اخلاص نیت سے روگردانی کرکے ان قوانین کو پس پشت ڈالا ہوا ہے۔ دنیاوی اور ریاستی قوانین سے انحراف کرنا جس طرح موجب سزا ہے ویسے ہی اسلامی قوانین سے روگرادنی کرنا بھی کھلم کھلی بغاوت ہے۔ معاشرے کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھنا کسی مولوی کا کام ہے، نہ کسی ڈاکٹر، استاذ اور ماہر دانشور کا، معاشرے کی اصلاح میں سب سے زیادہ کارگر عمل حکومت کا ہے۔ اگر حکومت چاہے تو رشوت جیسے سنگین جرائم کو معاشرے سے

بالکلیہ ختم کر سکتی ہے۔ سرکاری اہلکار ہوں یا نیم سرکاری، عوام الناس ہوں، یا پولیس آفیسر، تعلیمی ادارے ہوں یا انصاف فراہم کرنے والے ادارے، ہسپتال ہوں یا دیگر عوامی نمائندگی کرنے والے ادارے تمام اداروں اور تمام شعبوں سے رشوت کا خاتمہ نہ صرف ممکن بلکہ نہایت آسان ہے۔اس کے لیے حکومت کو بنیادی طور پر کم آمدنی والے اداروں، سرکاری اہلکاروں بشمول پولیس اہلکاروں کے تنخواہوں میں مناسب اضافہ کرنا ہوگا۔ دوسرے نمبر پر رشوت جیسے مکروہ دھندے میں ملوث افراد کی نہ صرف حوصلہ شکنی اور سرزنش کرنی ہوگی بلکہ سخت سے سخت سزا بھی دینا ہوگی۔اسی طرح اسلامی تعلیمات کی روشنی میں معاشرے کے تمام افراد کو رشوت ستانی کے انجام اور نقصان سے آگاہی فراہم کرنے کے لیے زبردست مہم چلانا ہوگی۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ غیر مسلم رشوت جیسی دیگر برائیوں کی حوصلہ شکنی کے لیے پلیٹ فارم بناتے ہیں بحث ومباحثہ کرتے ہیں اور فلاحی سماجی تنظیمیں بنا کر لوگوں میں آگہی پھیلاتے ہیں، مگر اسلام کے نام لیوا امت مسلمہ کا شرف حاصل کرنے والی قوم اپنے ہی مذہب کی تعلیمات سے پہلو تہی کرتی ہے۔ انسداد رشوت ستانی کے لیے چوہدری عبدالوحید جیسے دیگر قابل، محنتی، محب الوطن اور دیانتدار لوگوں کو بھی اسمبلیوں میں آواز بلند کرنا چاہیے تاکہ ملک پاکستان سماجی برائیوں کی دلدل سے نکل سکے اور تعلیم وتعلم، امن وامان اور صحیح معنوں میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کا منظر پیش کرکے پوری دنیا کے لیے مقتدا اور رہنماء بن سکے۔

نوجوان نسل کی تربیت میں والدین کا کردار

محمد مسعود فیصل آباد کا بہت بڑا تاجر ہے۔اپنے علاقہ کی سرکردہ شخصیات میں وہ سرفہرست ہے۔سیاست، تجارت، عبادت، معاملات، اخلاقیات، ہمدردی نیک نیتی اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے میں اپنی مثال آپ ہے۔گزشتہ کئی سالوں سے وہ فی سبیل اللہ لوگوں کے تنازعات ختم کروانے اور آپس میں صلح صفائی کروانے کے کارِ خیر میں مصروف ہے۔محمد مسعود کا گھریلو ماحول دیندارانہ اور شریفانہ ہے۔تعلیم تعلم اور کسب حلال اس کے خاندان کی پہچان ہے۔بے باکی دلیری، بہادری اور صاف گوئی اس کے خاندان کے وہ اعلی اوصاف ہیں جن کی وجہ سے اس کے خاندان کا ہر فرد علاقائی سطح پر اپنا ایک بلند مقام رکھتا ہے۔گزشتہ چھ دہائیوں سے محمد مسعود اپنے آباؤ اجداد کے ان بلند پایہ اوصاف کی حفاظت کیے ہوئے تھا۔چھ دہائیوں بعد اس کے خاندان کی شناخت کو مسخ کرنے کے لیے اس کے گھر سے ایک گندا چشمہ ابلنا شروع ہوا جو چند سالوں میں محمد مسعود اور اس کے خاندان کے تمام بلند پایہ اوصاف اور بے نظیر کارناموں اور لازوال قربانیوں کو اپنی رَو میں بہا کر لے گیا۔وہ اس طرح کہ محمد مسعود کے چھوٹے بیٹے ذیشان نے میٹرک کے بعد کالج میں داخلہ لے لیا۔کالج کا ماحول نہایت خراب تھا، مخلوط تعلیم اور اوباش قسم کے طلبہ کا ہجوم کالج میں بہت تھا۔ان اوباش

طلبہ نے ذیشان کو ہائی جیک کیااور اپنی کمپنی میں شامل کرلیا۔ذیشان کی ان کے ساتھ میل جول نے چند دنوں میں محمد مسعود کے خاندان کی مضبوط جڑوں کو کاٹنا شروع کردیا۔ہر دوسرے دن ذیشان کے بھیانک جرائم کی بازگشت محمد مسعود کے گھر تک پہنچتی مگر چھوٹا ہونے اور بے انتہاء لاڈپیار کی وجہ سے یہ جرائم دب کر رہ جاتے ۔کئی مرتبہ، اس کے والدین کو کالج کی انتظامیہ کی طرف سے بھی شکایات کی گئیں مگر اس کے والدین ہر بار سمجھانے کا کہہ کر بات گول کر دیتے ۔تین ماہ بعد ذیشان چرس پیتا ہوا پکڑا گیا،پولیس اسے اٹھا کر تھانہ لے گئی مگر محمد مسعود نے ذیشان کو سیاسی اثر ورسوخ استعمال کرکے تھانے جانے سے قبل ہی رہا کروالیا۔والدین کی طرف سے لاڈپیار اور بھرپور سپوٹ ملنے کی وجہ سے ذیشان کے برے جذبات اور نفسانی خواہشات کو مہمیز ملتی رہی،یوں وہ سگریٹ سے چرس،چرس سے شراب اور شراب سے زناء تک بڑھتا چلاگیا۔پھرایک دن ذیشان نے علاقہ کی معروف شخصیت کے خاندان کی عصمت پر ڈاکہ ڈالا اور اس کی معصوم بیٹی کواپنے دوستوں کے ساتھ مل کر اغوا کرلیا۔اس بار بھی محمد مسعود نے ڈھٹائی کے ساتھ بیٹے کی فیور کرنا شروع کردی اور اس کی سپوٹ کے لیے اپنی دولت،جاہ جلالت ،خاندان کی شرافت اور عزت تک کو داؤپر لگادیا،مگر اس بار اس کا مقابلہ اپنے سے زیادہ مضبوط خاندان سے تھا۔لہٰذا اس بار وہ شکست کھاگیا اوراور اس کا لاڈلا بیٹا ذیشان سلاخوں کے پیچھے چلا گیا۔

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ہم معاشرے کی اصلاح کے لیے باتیں کرتے ہیں مگر ہمارا عمل اس کے برعکس ہوتا ہے، ہم اپنے آپ کو مسلمان تو کہتے ہیں مگر ہمارا طرزِ عمل شریعت کے متضاد ہوتا ہے، دوسروں کو برا تو کہتے ہیں مگر اپنے گریبان میں جھانکنا پسند نہیں کرتے۔ محمد مسعود جیسے بے شمار نیک صالح والدین ہیں جن کا معاشرے میں نیک نامی کا طوطی بولتا ہے مگر اپنی اولاد کے معاملہ میں وہ اپنی نیک نیتی، قدر و منزلت اور معاشرتی فلاح اور امن وامان کو داؤ پر لگا لیتے ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ اگر کوئی دوسرا آدمی اس کی اولاد کے غلط چال چلن سے مطلع بھی کرے تو اس کی بات کو ہوا میں اڑا دیا جاتا ہے اور بجائے اپنی اولاد کی سرزنش اور اصلاح کے الٹا ان کا دفاع شروع کر دیا جاتا ہے۔ آج ہماری نوجوان نسل جس بری طرح معاشرتی جرائم میں ملوث ہے ۔اس وجوہات میں اگرچہ انٹرنیٹ، کیبل، ٹی وی اور موبائل فونز کا بہت بڑا دخل ہے مگر سرفہرست وہ والدین ہیں جو اپنی اولاد کو فرشتے سمجھتے ہیں اور بلاوجہ لاڈ پیار کے ذریعہ ان کے لیے جرائم کی راہ ہموار کرتے ہیں۔ ماں کی گود کو بچہ کی پہلی درسگاہ قرار دیا گیا ہے، اگر یہ گود صحیح معنوں میں اس کی تربیت نہیں کرے گی تو وہ دنیا کی بہترین درسگاہوں میں بھی صحیح تربیت حاصل نہیں کر سکے گا۔ اولاد کے معاملہ میں سب سے زیادہ مائیں حساس ہوتی ہیں۔ یہ مائیں دوسروں کے بچوں کی چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر تو ہر مجلس میں طنز کرتی ہیں مگر اپنے بچوں کو پاک صاف خیال کرتی ہیں۔ جس کا نتیجہ ذیشان کی صورت میں دیکھنا پڑتا ہے۔ یہ

معاملہ تونوجوان نسل کی معاشرتی برائیوں اور والدین کے ان کے بارے میں ''حسن ظن'' اور نرم رویوں کا تھا۔عبادات کے معاملے میں بھی والدین حد درجہ غفلت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔اولاد جوان ہوجاتی ہے مگر والدین میں یہ ہمت نہیں پڑتی کہ بچوں کو نماز کی ادائیگی اور روزہ رکھنے کا کہہ سکیں۔جب کہ حدیث پاک کا مفہوم تو یہ ہے کہ بچہ جب سات سال کا ہوجائے تو اسے نماز پڑھنے کی تلقین کی جائے اور جب دس سال کی عمر کو پہنچ جائے اور وہ نماز کے معاملہ میں سستی کرے تو ڈانٹ ڈپٹ اور مار پیٹ کے ذریعہ نماز کا حکم کیا جائے۔عبادات کے معاملہ میں بچوں کی غفلت اور سستی کی سب سے بڑی وجہ معاشرتی برائیوں کی طرح خود والدین ہیں۔اکثر وبیشتر دیکھنے میں یہی آیا ہے کہ جو لوگ عبادات کی ادائیگی میں اہتمام کرتے ہیں ان کی اولاد بھی عبادات میں دلچسپی کا مظاہرہ کرتی ہے۔لیکن جو لوگ نماز،روزہ سے دور رہتے ہیں ان کی اولاد شاذ ونادر ہی اس کا اہتمام کرتی ہے۔

والدین نوجوان نسل کے لیے ایک آئینہ کی حثیت رکھتے ہیں۔آئینہ صاف ہو تو عکس واضح نظر آتا ہے اور اس سے فائدہ اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے۔لیکن اگر آئینہ گرد آلود ہو تو اس کا استعمال ہیچ اور عبث ہے۔لہٰذا والدین کو صاف شفاف آئینہ بننا چاہیے اور اپنی اولاد کے سامنے اپنے آپ کو ایک رول ماڈل بنا کر پیش کرنا چاہیے تاکہ ان کی اولاد اپنا واضح عکس دیکھ کر آگے بڑھ سکیں اور

سماجی ومعاشرتی برائیوں سے دور رہ کر دین اسلام کے احکامات پر عمل کرنے والے بن سکیں اور ملک وملت کی ترقی میں اپنا کردار ادا کر سکیں۔

بھائی رشوت لینااور دینا حرام ہے۔ہمارے آقاء نامدار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ " علیہ وسلم نے رشوت لینے اور دینے والے دونوں کو جہنمی قرار دیا ہے۔ویسے بھی رشوت جیسے مذموم دھندے کی مذمت اسلام کے علاوہ دیگر ادیان میں بھی شدت سے پائی جاتی ہے۔اس کے علاوہ ترقی یافتہ ممالک اور ہنستے مسکراتے معاشروں میں بھی اس برے کام کی ہمیشہ حوصلہ شکنی کی جاتی ہے اور اس میں ملوث افراد کو پورے معاشرے میں نہ صرف گھٹیا نگاہ سے دیکھا جاتا ہے بلکہ انہیں معاشرے کے لیے زہر قاتل تصور کیا جاتا ہے۔دنیاکے ترقی یافتہ ممالک کی کامیابی کا راز ہو یامہذب قوموں کی ہمہ گیر شہرت ،رعب اور دبدبے کا پرچار ،دنیا کی بہترین عدالتیں ہوں یا امن وانصاف فراہم کرنے والا دنیا کا تیز ترین سیکورٹی سسٹم اور خفیہ اداروں کا بچھایا ہوا جال ہو،تعلیمی اداروں کی بڑھتی ہوئی ترقی کا گراف ہو یا معاشرے میں بسنے والے ہر فرد کی دیکھ بھال اور انہیں سہولیات زندگی فراہم کرنے والے اداروں کا نام ونشان ہو،جمہوری ممالک میں جمہوریت کی کامیابی ہو یا کرپشن فری ریاستوں کا خواب ہو،خوب سیرت ،ملنسار ،ہمدرد اور مشکل وقت میں ایک دوسرے کے کام آنے والے لوگ ہوں یا قوم کے لیے جان قربان کردینے والی بہادر افواج ہوں،ملک وملت کی پاسبانی وراہبری کرنے والے قائدین ہوں یا قوم کے لیے معمار تیار کرنے

والے اساتذہ ہوں ہر جگہ ، ہر چیز اور ہر معاشرے میں رشوت کی بوتک برداشت نہیں کی جاتی چہ جائیکہ کھلے عام رشوت کے لین دین کو سپوٹ کیا جائے اور اسے زندگی کے لیے لازمی جز تصور کیا جائے ۔"

"عبدالرحمٰن تم سمجھدار اہو، تعلیم یافتہ ہو، دیندار اور حافظ قرآن ہو تمہیں یہ کام بالکل بھی زیب نہیں دیتا تھا۔کاش کہ تم یہ گناہ کرنے سے قبل کچھ سوچ لیتے اور کسی اچھے آدمی سے مشورہ کر لیتے اور" اسے" اس کام سے روک دیتے تو آج تم گناہ میں معاونت کرنے سے تو بچ جاتے اور اللہ عزوجل کے فرمان پاک کی بجاآوری بھی ہوجاتی کہ "تم نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو گناہ اور سرکشی میں تعاون نہ کرو اور اللہ سے ڈرو، بیشک اللہ سخت سزا دینے والے ہیں"۔"مولانا صاحب !آپ کو تو سب پتہ ہے میری حالت اور ہمارے گھر کی حالت کا، والد محترم نے سولہ سال تک کمر پر بوجھ لاد کر مجھ نکمّے کو کچھ پڑھنے لکھنے کے قابل بنایا۔آج میں اپنی علمی پیاس بجھانے کے لیے باہر کی یونیورسیٹیوں میں پڑھنا چاہتا ہوں تو میرا راستہ روکنے کے لیے ہر جگہ کوہ ہمالیہ کھڑا کردیا جاتا ہے جسے سر کرنا رشوت کے بغیر محال اور خواب ہی ہے۔آپ دیکھیں نا! کہ ڈومیسائل، ب فارم سے لے کر پاسپورٹ بنوانے تک کتنی اذیتیں مجھے جھیلنی پڑی ہیں، کوئی پراسس بھی پیسوں کے بنا کمپلیٹ نہیں ہوا، صرف ایک ڈومیسائل میں ہزار روپے رشوت کی نظر کیے ،پاسپورٹ میں بھی ادھر ادھر کے دھکے کھانے سے بچنے کے لیے

نو سو روپیے سے کارندوں کی جیب گرم کرنی پڑی۔ متعلقہ تھانے سے کریکٹر سرٹیفیکٹ کی تصدیق کے لیے اہلکار کے پیٹ کی آگ سو روپیے سے بجھانا پڑی۔ اب تک ایک درجن کے قریب ڈاکومنٹس میں سے چار کے لیے ڈھائی ہزار سے زائد روپیے رشوت کی نذر ہوگئے ہیں باقیوں کے لیے اس سے زائد رقم کا مطالبہ کیا جارہا ہے جس کی سکت مجھ غریب میں بالکل نہیں ہے۔ بس اللہ عزوجل ہی اس کی سکت دے سکتے ہیں ورنہ مخلوق کی چھریوں کے وار سے سینہ پہلے ہی بہت چھلنی ہوگیا ہے۔ ''مولانا صاحب ! یہ پاکستان ہے ہم غریبوں کے تعلقات حکام بالاتک ہیں ،نہ ہماری وہاں کوئی شنوائی ہوتی ہے، لے دے کے کام اپنے خون پسینے کی کمائی سے چلانا پڑتا ہے اگر اس کا سہارا بھی نہ لیں تو آپ بتائیں ہم کہاں جائیں کس کا در کھٹکھٹائیں کس سے فریاد طلب کریں؟۔

میرا دوست عبدالرحمٰن اپنی حالت زار، ہمارے مقتدراداروں کے سخت رویوں اور حکام اعلیٰ کی ناانصافیوں کی داستان سنانے اور جواباً میری باتیں سننے کے بعد پھوٹ پھوٹ کر رونے لگگیا۔ عبدالرحمٰن کا تعلق غریب گھرانے سے ہے۔ اس کے والد مزدوری کے ذریعہ بال بچوں کا پیٹ پالتے ہیں۔ انہوں نے عبدالرحمٰن کو خون پسینہ کی کمائی سے ایم اے کروایا۔ ایم اے کے بعد عبدالرحمٰن سکالرشپ کے ذریعہ بیرون ملک پی ایچ ڈی کے لیے جانا چاہتا ہے۔ لیکن اس کے پاس بنیادی ڈاکومنٹ کے حصول کے لیے اتنے پیسے نہیں کہ جس سے وہ اپنی سکالرشپ کو محفوظ

رکھ سکے اور اعلیٰ تعلیم کے حصول کے بعد ملک وملت کے لیے کوئی کارنامہ سرانجام دے سکے۔اوپر سے ہمارے حکمرانوں کی غفلت ،نااہلی اور اپنی قوم، وطن اور منصب سے بغاوت انتہاء کو چھورہی ہے جس کی وجہ سے عبدالرحمٰن جیسے غریب لوگوں کو بھی خون پسینہ کی کمائی رشوت کی نذر کرناپڑتی ہے۔رشوت ایک لعنت ہے جس میں معاشرے کے اکثر لوگ بری طرح دھنسے ہوئے ہیں۔عوام الناس سے لے کر حکام اعلیٰ تک تقریبا ہر فرد کسی نہ کسی طرح اس مرض میں مبتلا نظرآتا ہے۔سب سے زیادہ اس مرض میں ہمارے قومی ادارے ملوث نظرآتے ہیں۔تھانے ،کچہریاں، عدالتیں، تعلیمی ادارے اور دیگر سرکاری ادارے اس میں پیش پیش ہیں۔آپ ملک کے اطراف میں پھیلے ہوئے تھانوں کاکچھ دیر کے لیے وزٹ کرکے دیکھ لیں ،کچہری اور عدالت کا ایک راؤنڈلگالیں، تعلیمی اداروں میں ایک دورہ کرآئیں آپ کو ساری صورتحال کااندازہ ہوجائے گا۔رشوت ،غفلت ،کام چوری ،بداخلاقی کے المناک مناظر آپ کو جگہ جگہ دیکھنے کو ملیں گے۔

صرف محکمہ پولیس کواٹھاکر دیکھ لیں۔ہمارے معاشرے میں پولیس کانام ایک گالی بن چکاہے۔سرکاری اداروں میں بدنام ترین اداروں کی فہرست میں پہلے نمبر پر اس محکمہ کا نام آتاہے۔رشوت ستانی کی رسم بد میں سب سے موثر اور عملی کردار بھی اسی محکمے کے اہلکاروں کا نظرآتا ہے۔مبالغہ آرائی ،الزام تراشی اور کردار کشی سے ہٹ کر حقائق تو یہی ہیں کہ عام آدمی کو تھانہ کلچر

کچہریاں، عدالتیں سالہاسال ذلیل وخوار کرتی ہیں، کنگال اور مفلسی کی حدوں کو، پہنچادیتی ہیں۔ دوسری طرف وقت کے حکمرانوں کے دعوے پالیسیاں صرف دوچار میٹنگوں، اور چندایک اخباری بیانات تک محدود ہوتے ہیں۔ جس سے اداروں کی بنیادوں کو چاٹنے کے لیے دیمک کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ عوام کو دعووں اور بیانات سے ہر گز سروکار نہیں ہوتا، انہیں تو ضرورت کے وقت فوری انصاف اور بلامعاوضہ مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ ادارے کسی کی جاگیر نہیں یہ قوم کا ورثہ ہیں۔ ان کی بنیادوں میں پاکستان کے لیے قربانی دینے والوں کا خون شامل ہے۔ اٹھارہ کروڑ عوام کے خون پسینے سے ان اداروں کی سانسیں چلتی ہیں۔ ریاست کا مقصد صرف حکمرانی کرنا نہیں ہوتا بلکہ عوام کو سستا انصاف اور ضروریات مہیا کرنا ہوتا ہے۔ اگر عوام کو بنیادی حقوق اور فوری انصاف کے لیے اپنی زندگیاں لٹانی پڑیں، دھکے کھانے پڑیں، رشوتیں دینی پڑیں، سیلاب، ڈرون حملے، خودکش دھماکے، مہنگائی کے بڑھتے ہوئے طوفان اور لوڈشیڈنگ کے تھپیڑے جھیلنے پڑیں تو ایسی ریاست کے لیے کوئی بھی شخص اپنی جان مال قربان کرنے پر کبھی تیار ہوگا، نہ کبھی اس کے حق میں کوئی مثبت سوچ اور فکر رکھے گا۔ بلکہ وہ ہمیشہ انتقام کی آگ میں پکتا رہے گا۔

اس سے پہلے کہ انتقام کی آگ قبائلی علاقوں اور بلوچستان کی سرحدوں سے نکل کر پورے ملک کو جلا کر خاکستر کردے ہمیں اپنا محاسبہ کرنا ہوگا۔ بالخصوص عوام

کی قسمتوں کے فیصلے کرنے والے سیاستدانوں، حکمرانوں، سرکاری اہلکاروں کو اپنے منصب سے ایمانداری کا عہد کرتے ہوئے ریاست کے مفادات اور عوام کے حقوق کے بارے میں سوچنا ہوگا۔ معاشرے کی دیواروں کو چاٹنے والی دیمک کے خاتمے کے لیے رشوت جیسے مکروہ دھندے کا سدباب کرنا ہوگا۔اس کے لیے پہل حکام اعلیٰ کو کرنا پڑی گی ۔کیوں کہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ برائی نیچے سے نہیں پھیلتی بلکہ اس کا اثر اوپر سے آتا ہے۔بیٹا اپنے والدین کے غلط چال چلن کی وجہ سے بد چلن ہوتا ہے،شاگرد غافل استاد کی وجہ سے غفلت کرتا ہے،سرکاری اہلکار حکام اعلیٰ کی وجہ سے کام چوری، غفلت اور رشوت ستانی جیسے مکروہ کاروبار میں ملوث ہوتے ہیں۔لہٰذا ہر اعلیٰ کو اپنے سے کمتر کے مقابلہ میں پہل کرنا ہوگی اور خود بڑھ کر رشوت اور دیگر تمام معاشرتی برائیوں کے ازالے کے لیے جدوجہد اور جہاد کرنا ہوگا۔اس کام کے لیے نہایت موزوں ترتیب حکومت وقت کے ارکان بنا سکتے ہیں۔کیوں کہ یہ ارکان پوری قوم کے نمائندے ہیں، قوم اپنے نمائندوں کے قول و فعل کو جلد ایکسپٹ کرتی ہے۔نشاط کے ساتھ ملک وملت کی ترقی کے لیے ہاتھ بٹاتی ہے،بہادری اور جوانمردی کے ساتھ افواج کے شانہ بشانہ کھڑی ہوتی ہے۔ہماری حکمرانوں سے یہی التجاء ہے کہ باہم چپقلشوں کو بھلا کر ایک دوسرے پر منافق، یہودی ایجنٹ اور امریکی وفادار کے لیبل لگانے والے دوہرے رویے کو چھوڑ دیجیے اور ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچنے سے اجتناب کریں تاکہ مظالم کا شکار عوام سکھ کا سانس لے سکے اور مسائل سے چھٹکارا حاصل کرسکے

۔خدار ! اپنے منصب کی قدر کریں، امت کی فکر کریں، ملک کی ترقی کے لیے اپنا عملی کردار ادا کریں اور عبدالرحمٰن جیسے غریب لوگوں کا ہر مشکل وقت میں تعاون کریں۔ کیوں کہ ہماری فلاح اور ہماری اور ہمارے ملک کی بقاء کا راز اسی میں مضمر ہے۔

دن آجاتا ہے آزادی کا پر آزادی نہیں آتی

آج سے پینسٹھ سال قبل پاکستان کے وجود کا تصور تھا نہ اس کی کوئی حقیقت تھی، مسلم امہ کے ماتھے پر ساتویں ایٹمی طاقت کا تمغہ افتخار سجانے والا کوئی اسلامی جمہوریہ ملک تھا نہ خالص اسلامی نظریہ کی بنیاد پر آزادی حاصل کرنے والی کوئی اسلامی مملکت تھی ۔سوا چھ ارب سے زائد مسلمانوں اور ستاون کے قریب اسلامی ممالک میں سے کسی کے پاس سات لاکھ سے زائد دنیا کی بہترین بہادر فوج تھی ،نہ کسی کے پاس بہترین محل وقو ع ،بیش بہا آبی ذخائر، قیمتی معدنیات ، تیل ، گیس ، نمک کے پہاڑ وں کا دراز سلسلہ ، کوئلے کی بھری کانیں ، بلوچستان کے پہاڑوں میں جذب سونے کے ذرات، گوادر اور پورٹ قاسم جیسی بہترین بندرگاہیں، کوہ ہمالیہ اور کے ٹو جیسی بلند وبالا طویل پہاڑیاں، سوات ،کالام ،کاغان ،ناران ، بالاکوٹ اور آزاد کشمیر جیسی خوبصورت وادیاں تھیں، نہ کسی کے پاس بہترین اذہان ،افکار کی حامل قوم تھی، پختونوں کی طرح مضبوط ، جنگجو، غیرت ، حمیت اور پختہ عقائد رکھنے والے افراد تھے نہ ملک وملت کے لیے اپنی زندگیاں قربان کرنے والے اسلاف تھے ، مولانا سلیم اللہ خان ، مولانا عبدالمجید لدھیانوی ، مفتی تقی عثمانی ، مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہیدؒ، مفتی ابو لبابہ شاہ منصور ،ڈاکٹر اے کیو خان، ثمر مبارک مند جیسی دنیا کی عظیم ہستیاں تھیں،نہ مفتی عدنان کاکا

خیل ،ارفع کریم جیسے ٹیلنٹڈ طلباء وطالبات تھیں۔الغرض دنیاوی اسباب ہوں یا اخروی انعامات ،ذاتی کردار ہو یا محنت ،لگن اور شوق کے ذریعہ انجام دیئے جانے والے عمدہ کارنامے ہوں اسلامی دنیا میں ان سب چیزوں سے مالا مال کوئی ملک بھی نہ تھا۔

چودہ اگست 1947ء کو لاکھوں جانوں کا نذرانہ دے کر ،ساڑھے سات سو سالہ اسلامی دور حکومت کی یادگار حکمرانی کی بحالی کے لیے ،فرنگی ظالموں کے مظالم سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے ، ہندو بنیاؤں کی گھٹیا سوچ اور ان کے زہریلے ڈنگ سے محفوظ رہنے کے لیے اور دین اسلام پر آزادی کے ساتھ بغیر کسی روک ٹوک کے عمل پیرا ہونے کے لیے اور ریاست مدینہ اور خلافت راشدہ جیسی اسلامی فلاحی مملکت قائم کرنے کے لیے لاالہ الااللہ "کا نعرہ لگا کر پاکستان کے نام سے ایک الگ اسلامی ملک حاصل کیا گیا۔اس" قدر عظیم مقاصد کی حامل مملکت کے لیے لاکھوں مسلمانوں نے اپنی اولاد ،مال ،جان ، جائیداد اور ہر طرح کی راحت وسکون کو قربان کیا تاکہ وہ اور ان کی نسلیں اسلامی تشخص کو برقرار رکھ سکیں اور اس ملک کے پرچم تلے شعائر اسلام اور ارکان اسلام پر عمل کر سکیں۔لیکن افسوس کہ ان کی قربانیاں رائیگاں گئیں،ان کی خواہشات محض خواب ثابت ہوئیں۔پینسٹھ سال کا طویل عرصہ گزر گیا ،لیکن ابھی تک اس ملک میں خلافت راشدہ کی ابتدائی خدوخال تک نافذ نہیں ہوئی چہ جائیکہ پوری اسٹیٹ میں خلافت راشدہ کا نظام

نافذ ہوتا۔فرنگی مظالم سے اور ہندؤں کی غلامی سے نجات تو مل گئی لیکن اپنوں کی منافقت اور عیاری کی وجہ سے اب تک اس ملک کے باسی مظالم کی چکی میں پِس رہے ہیں۔ کبھی ڈرون حملوں کی شکل میں تو کبھی بم دھماکوں کی آڑ میں ، کبھی ٹارگٹ کلنگ کے ذریعہ تو کبھی مہنگائی ، بیروزگاری کے پہاڑ تلے ان کی زندگیاں گل ہو رہی ہیں۔

آزادی کے پینسٹھ سال مکمل ہو گئے لیکن ابھی تک یہ ملک بھارت اور امریکہ کی غلامی کی دلدل میں دھنسا ہوا نظر آتا ہے۔آزادی کا مقصد صرف الگ ملک حاصل کرکے اس میں جمہوریت کے نام پر عوام کو بیوقوف بنانا ہوتا ہے ،نہ مذاکرات اور امداد کے نام پر قوم کے مفادات کا سودا کرنا ہوتا ہے بلکہ آزادی کا مقصد ریاست کے ہر ہر معاملہ میں مکمل طور پر آزاد ہونا ہوتا ہے۔چاہے اس معاملہ کا تعلق سفارتی تعلقات سے وابستہ ہو یا وہ معاملہ عوام سے متعلقہ ہو۔معذرت کے ساتھ پاکستان کو ابھی تک اس قسم کی آزادی حاصل ہوئی نہ اس کی ہوا لگی ہے۔یقین نہ آئے تو ملک کے گزشتہ پینسٹھ سالوں کا مطالعہ کرکے دیکھ لیں۔آپ کو بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ ہمارے معاملات میں امریکہ اور اس کے پروردہ ممالک نے کس طرح دخل اندازی کی اور کیسے ہماری آزادی کے حق کو پامال کیا۔پینسٹھ سالوں میں پاکستان کو کئی بار حادثاتِ شدیدہ لاحق ہوئے ، جن میں بھارت کے ساتھ دو جنگیں ، سقوط ڈھاکہ ،کارگل جنگ ،مسئلہ کشمیر پر بھارت کی ہٹ دھرمی

قبائلی علاقوں میں امریکی مفادات کے تحفظ کے لیے لڑی جانے والی جنگ، بظاہر، افغانوں کو ملیا میٹ کرنے کے لیے طاغوت کا سجایا جانے والا میدانِ کارزار (جس کے ذریعہ حقیقتاً پاکستان کے استحکام کو نقصان پہنچایا جارہا ہے) شامل ہیں۔ اگر ان حادثات کے احوال کا مطالعہ کرلیا جائے تو ساری حقیقت کھل کر سامنے آجائی گی کہ پاکستان نے اتنے اہم مواقع پر اپنا حق آزادی استعمال کیا یا امریکہ بہادر کی پشت پناہی کے ذریعہ معاملات کو سنبھالا دیا۔ دراصل ہم ابھی تک مغلوم ہیں۔ حاکمیت کرنے والا ہم پر کوئی اور ہے۔ ہماری گردنوں میں ابھی تک غلامی کی زنجیریں لپٹی ہوئی ہیں۔ کیوں کہ نصف صدی سے زائد انگریزوں کے خلاف آزادی کے لیے جنگ لڑنے والے اسلاف کی قربانیوں کا ابھی تک ہم پر کوئی اثر ہوا نہ ہم نے ان کے خون کی قدر و قیمت کو پہچانا۔ ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہم ابھی تک چودہ اگست 1947ء کو پاکستان کے نام سے حاصل ہونے والی اسلامی مملکت کی قدر بھی صحیح معنوں میں نہیں کرسکے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہم باوجود ایٹمی طاقت ہونے کے، باوجود قدرتی وسائل سے مالا مال ہونے کے امریکہ سے بھیک مانگتے ہیں، بھارت کی دھمکیوں اور ہٹ دھرمیوں اور سازشوں کے بعد بھی ہم خود مذاکرات کا کشکول اٹھائے ان کے در کی خاک چاٹتے ہیں۔ ایک طرف ہم داخلی مسائل کے گرداب میں بری طرح پھنسے ہوئے ہیں دوسری طرف اغیار کی طرف سے خارجی مسائل کے پہاڑ بنی اسرائیل کی طرح ہمارے سروں پر لاکر کھڑے کردیے گئے ہیں کہ دشمنوں کی ہاں میں ہاں ملاؤ ورنہ پتھروں سے سر کچل دیے جائیں گے۔

دیکھا جائے تو پینسٹھ سالوں میں ابھی تک ہم نے گنوایا ہی ہے کچھ حاصل نہیں کیا اگر کیا بھی تو اس کی حقیقت صرف کاغذ جیسی ہے بس۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ ہم ابھی تک پاکستان کی آزادی کے ساتھ انصاف نہیں کرسکے۔آزادی کی قدر سیکھنی ہو تو چین سے سیکھی جائے کہ کس طرح انہوں نے اس نعمت عظمیٰ کے حصول کی قدردانی کی،کیسے انہوں نے اپنے ملک کو دنیاکے صف اول کے ممالک کی فہرست میں لاکر کھڑاکیا۔آج چین دنیا کی ابھرتی ہوئی بڑی طاقت ہے۔اس کی وجہ وسائل کی ریل پیل نہیں ہے بلکہ چین کی ترقی کی وجہ آزادی کی نعمت کی قدردانی اور اپنے ملک سے وفاداری ہے۔چینی اپنے ملک کے مفادات کے لیے کسی قیمت پر راضی نہیں ہوتے،جان دے سکتے ہیں مگر پیچھے نہیں ہٹتے۔وہ اپنی ثقافت،کلچر پر کسی قسم کا سمجھوتہ نہیں کرتے۔وہ اپنے دشمن سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتے ہیں۔جب کہ ہمارا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ہم تو اپنے دشمن کے تہواروں کو منانا نہیں بھولتے،امن کی آشا کی خاطر اپنی ثقافت کا خون کردیتے ہیں تو پھر کیسے ہم دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکتے ہیں۔آزادی کے پینسٹھ سالوں میں اگرچہ ہم نے اپنابہت کچھ گنوایا ہے لیکن ملک پاک کی باگ ڈور ہمارے ہاتھوں میں ہے اور وقت کی نبض پر بھی ہماری گرفت ہے۔ہم غلطیوں سے سبق سیکھ سکتے ہیں،ان کا ازالہ کرنا ہمارے بس میں ہے،اپنے دامن پر لگے داغ دھونا ہماری استطاعت میں ہے،اپنے ملک کی آزادی کا تحفظ کرنا

ہمارے ہاتھ میں ہے۔اپنے اسلاف کی عظیم قربانیوں کی لاج رکھنے اور ان کی ارواح کو راحت پہچانے کے لیے ہمیں اس بار یوم آزادی پر نیا عزم اور نیا عہد کرنا ہوگا۔پاکستان کے ہر شہری کو اپنے ملک کے مفادات کے بارے میں سوچنا ہوگا اور ملک کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھنا ہوگا۔اسی طرح حکمرانوں کو بھی پاکستان کے مفادات کے لیے کسی بھی شخص اور کسی بھی ملک سے نمٹنے کے لیے ذرہ برابر ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کرنا ہوگااور نہ ان کے سامنے گھٹنے ٹیکنے ہوں گے بلکہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنا ہوگی، خواہ سامنے والا امریکہ ہو یا بھارت ،چین ہو یا سعودی عرب۔اگر ہمارے حکمران صرف اور صرف پاکستان کے مفادات کی جنگ لڑنے لگ جائیں تو تمام مسائل حل ہوجائیں ،ملک میں خوشحالی آجائے ،اقوام عالم پاکستان کے ساتھ بیٹھ کر بات کرنے پر مجبور ہوجائے بھارت ازخود مذاکرات کے لیے پاکستان کے سامنے چادر پھیلانے پر مجبور ہوجائے، ۔اس لیے اس یوم آزادی پر ہمارے حکمرانوں کو پاکستان کے مفادات کی جنگ لڑنے کا اعلان کرنا چاہیے اور عوام کو حکمرانوں کی معاونت کا اعلان کرنا چاہیے ۔اسی میں ہماری بقاء ہے اور اسی میں ہمارے ملک کی سلامتی کی ضمان ہے ورنہ اس بار بھی یوم آزادی پر دل ناتواں یہ مژدہ سنائے گا کہ

لپٹی ہیں ابھی تک غلامی کی زنجیریں میری گردن میں
دن آجاتا ہے آزادی کا پر آزادی نہیں آتی

کراچی کا امن بحال کرنے میں فوج کا کردار

سیٹھ محمد ذیشان کراچی کے رہائشی ہیں۔ وہ آج سے کوئی تیس برس قبل کسبِ معاش کے لیے جنوبی پنجاب سے ہجرت کرکے کراچی منتقل ہوئے تھے۔ انہوں نے یہاں آ کر پچاس روپے دیہاڑی سے اپنے مختصر سے خاندان کا پیٹ پالنا شروع کیا۔ پھر رفتہ رفتہ محنت اور لگن سے ترقی کے زینے عبور کرتے رہے یہاں تک کہ وہ ایک بہت بڑے گودام اور ایک عالیشان جنرل اسٹور کے مالک بن گئے۔ سیٹھ محمد ذیشان کی زندگی یوں ہی ہنستے بستے گزر رہی تھی کہ اچانک ایک دن ان کو جان لیوا صدمہ لاحق ہوا۔ ان کے چھوٹے بیٹے ندیم ذیشان کو بھتہ خور اغوا کرکے لے گئے اور اس کی جان بخشی کے لیے پچاس لاکھ تاوان کی پرچی گھر میں پھینک گئے۔ سیٹھ محمد ذیشان کو جرائم پیشہ لوگوں کی طرف سے پہلے بھی پرچیاں ملتی رہتی تھیں لیکن ان میں ڈیمانڈ اتنی زیادہ نہیں ہوتی تھی جتنی اس بار تھی، اس وجہ سے انہوں نے ادائیگی نہیں کی۔ بھتہ خوروں نے مطالبہ پورا نہ ہونے کی وجہ سے سیٹھ محمد ذیشان کے بیٹے کو اغوا کیا اور ڈیمانڈ بھی ڈبل کر دی۔ سیٹھ محمد ذیشان بیٹے کی بازیابی کے لیے علاقے کے سرکردہ سیاسی رہنماؤں کے پاس گئے مگر کوئی راہ نکلی اور نہ تسلی ملی، مدد کے لیے تھانے گئے تو پولیس والوں نے مقدمہ ''نامعلوم'' افراد کی فہرست میں ڈال کر چلتا کیا۔ تھک ہار کر سیٹھ ذیشان نے بھتہ خوروں سے رابطہ کی کوشش کی

تاکہ ڈیمانڈ کم کرا کر بیٹے کو گھر لے آئے تو انہوں نے مطالبہ پورا نہ کرنے پر اس کو اور اس کے بیٹے کو قتل کرنے کی دھمکی سنا دی۔ یہ دھمکی سن کر سیٹھ ذیشان کو ہارٹ اٹیک ہوگیا۔ ہسپتال جا کر کچھ افاقہ ہوا تو انہوں نے اپنا جنرل اسٹور سیل کرنے کے لیے رابطے شروع کر دیے تاکہ بھتہ خوروں کی ہوس پورے کر سکے۔ ابھی رابطے چل ہی رہے تھے کہ اگلے دن صبح ندیم ذیشان کی بوری بند لاش سیٹھ ذیشان کے گھر کے دروازے پر پڑی ہوئی ملی۔ نوجوان بیٹے کی لاش دیکھ کر سیٹھ ذیشان کو دوبارہ ہارٹ اٹیک ہوا جو جان لیوا ثابت ہوا اور اس کے بیوی لخت جگر کی خون سے لت پت لاش دیکھ کر قومے میں چلی گئی۔

یہ افسوسناک واقعہ کوئی دو تین سال پرانا نہیں اور نہ ہی یہ من گھڑت داستان ہے بلکہ یہ دو کروڑ سے زائد اور پاکستان کے سب سے بڑے شہر کراچی میں محنت مزدوری کرنے والے ایک معصوم شہری کے ناحق خون کی تازہ ترین خبر ہے۔ کراچی میں گزشتہ کئی سالوں سے بھتہ خوری، ٹارگٹ کلنگ، اغوا برائے تاوان، سر عام چوری ڈکیتی، گھروں میں گھس کر چار دیواری کی حرمت پامال کرکے لوگوں کو لوٹنا عادت اور رواج بنا ہوا ہے۔ جس سے نہ صرف یہاں کے بسنے والے بلکہ پورے ملک میں بسنے والے اٹھارہ کروڑ سے زائد افراد ایک خوف اور ایک قسم کی بے چینی میں مبتلا ہیں۔ عوام کی بڑھتی ہوئی یہ بے چینی رفتہ رفتہ پاکستان کی سلامتی اور بقاء کے لیے ایک خطرہ بنتی جا رہی ہے۔ اس خطرے سے نمٹنے کے لیے حکومت اور

عوام ابھی تک دونوں خواب غفلت میں محو ہیں۔اس غفلت کا نتیجہ ہے کہ آئے روز پاکستان طرح طرح کے مسائل میں جکڑتا جارہاہے۔ کبھی سرحدوں پر بڑھتی کشیدگی کا مسئلہ سر اٹھاتاہے تو کبھی ڈرون حملوں اور بم دھماکوں کی گونج سے پورا ملک چیخ اٹھتا ہے، کبھی لاپتہ افراد کی بازیابی کے لیے روڈ بلاک کیے جاتے ہیں تو کبھی مہنگائی بیروزگاری کی وجہ سے کاروبار بند رکھے جاتے ہیں، کبھی ملک کو دیوالیہ ہونے سے بچانے کے لیے آئی ایم ایف کے در پر کشکول اٹھاکر سدا لگانی پڑتی ہے تو کبھی اپنوں کے قتل کی تحقیقات کے لیے اقوام متحدہ سے انویسٹی گیشن کراوانے کے لیے کروڑوں روپے خرچ کیے جاتے ہیں۔

یہ سب اور اس جیسے سینکڑوں دیگر مسائل صرف ہماری غفلت اور سستی کی وجہ سے بڑھتے جارہے ہیں ورنہ مجال ہے کہ بھارت یوں سر عام ہمیں جنگ کی دھمکیاں دیں اور ہم مذاکرات کے کشکول اٹھائے ہمدردی اور امن کی بھیک مانگتے پھریں؟ مجال ہے کہ آئے روز یوں نہتے معصوم شہریوں پر امریکہ آگ برسائے اور ہم صرف ''ڈرون حملے پاکستان کے مفاد میں نہیں'' کا ڈھنڈورا پیٹتے رہیں؟ مجال ہے کہ کراچی لہولہو ہو اور ہم مفادات کی خاطر ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچتے رہیں؟۔یہ ہماری کوتاہی اور بد دیانتی ہی تو ہے کہ ہم آج تک کروڑوں روپے خرچ کرنے کے باوجود ملک میں کسی ادارے سے صحیح معنوں میں استفادہ کرسکے ،نہ ٹھیک طرح سے اپنے خون پسینے کی کمائی کا حق وصول کرسکے۔ہمارے ہاں پولیس ،فوج

رینجرز کی تعداد لاکھوں میں ہے اور انٹیلی جنس ادارے اور ان میں کام کرنے والے، اہلکار بھی ہزاروں میں ہیں اور اسی طرح ملک میں عدل وانصاف فراہم کرنے والے اداروں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے لیکن اس کے باوجود بھی ہر سُو سرِعام خون بہہ رہا ہے، شہریوں کے مال ودولت کو باآسانی لوٹا جارہاہے، جرائم پیشہ عناصر کھلے عام وارداتیں کررہے ہیں، محنت مزدوری کرکے حلال روزی کمانے والوں کو بھتے کی پرچیاں تھمائی جارہی ہیں!

ہمارا المیہ یہی ہے کہ ہم تبصرے، باتیں اور بلند وبانگ دعوے تو کرتے ہیں مگر عملاً کچھ نہیں کرتے۔آپ کراچی کی بدامنی کے حوالے سے گزشتہ حکومت اور موجودہ حکومت کی کارکردگی دیکھ لیں تو آپ کو بخوبی اندازہ ہوجائے گا کہ حکمرانوں نے کراچی کے امن بحال کرنے میں کتنی کوششیں کیں اور کس قدر دلچسپی لی۔پی پی دورِ حکومت میں رسمی طور پر کچھ کاروائی ہوئی، محدود سطح پر آپریشن بھی کیا گیا اور ٹارگٹ کلر بھی پکڑے گئے لیکن وہی اپنوں کی وفاداری اور مفادپرستی آڑے آگئی جس کی وجہ سے یہ آپریشن روک دیا گیا اور جرائم پیشہ لوگوں کو بند گلی سے یا تو فرار کروا دیا گیا یا جیلوں میں شاہانہ مہمان بنا دیا گیا۔آج اگر کراچی میں فوج کو حالات سنبھالنے کے لیے دعوت دی جارہی ہے تو یہ دعوت جرائم پیشہ، مفادپرست اور رشتہ داریاں نبھانے والوں اور بندر بانٹ کرنے والوں کو موت سے بھی زیادہ سخت لگ رہی ہے اور وہ اسی وجہ سے

پکار پکار کر ''جمہوریت کے منہ پر طمانچہ ہے'' کے نعرے لگا رہے ہیں۔ دوہرا معیار اپنانے والوں کو لال مسجد آپریشن اور سوات آپریشن کے وقت کیوں سانپ سونگھ گیا تھا ۔کیا اس وقت وفاقی دارالحکومت میں نہتے معصوم بچے بچیوں کو گولیوں سے بھوننا اور دنیا کے سامنے یوں درویش صفت علماء وطلباء کو بدنام کرکے ان کی شناخت کو مسخ کرنا جمہوریت کے منہ پر طمانچہ نہیں تھا ؟۔ حیرت ہے ! ہمارے سیاستدانوں پر کہ جب بات عوام کی مفاد کی آئے تو ہر طرف سے ایک شور وغوغا برپا ہو جاتا ہے لیکن جب بات اپنے مفاد کی ہو تو پھر ایم کیو ایم ہو یا پیپلز پارٹی یا اے این پی یا کوئی اور ہر کسی لیے فوج کو دعوت دینا درست قرار پاتا ہے۔آپ 12 مئی کے عام انتخابات کا جائزہ لے لیں کہ کس کس نے فوج کی نگرانی میں پولنگ کروانے کے لیے پاپڑ بیلے اور کس نے فرار کے لیے ہاتھ مسلے ؟۔

کراچی کے حالات کا باریک بینی سے جائزہ لیا جائے تو ٹارگٹڈ آپریشن انتہائی ناگزیر ہے خواہ وہ فوج کے ذریعے ہو یا کسی اور طریقے سے۔ کسی بھی ریاست کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اپنے شہریوں کی جان مال اور آبرو کو تحفظ فراہم کرے۔اس تحفظ کے لیے اگر ریاست بھی داؤ پر لگانا پڑے تو پیچھے نہیں ہٹنا چاہیے ، کیوں کہ عوام ہے تو ریاست ہے ، عوام کے بغیر ریاست کا وجود ناممکن ہے۔ وزیراعظم میاں نواز شریف نے عین وقت پر کراچی کا دورہ کرکے انتہائی ذمہ

داری کا ثبوت دیا ہے۔ وزیراعظم کی یہ آمد کراچی کے امن بحالی میں ایک مؤثر کردار ادا کر سکتی ہے اگر وہ حالات کے مطابق فیصلے کریں اور ٹارگٹڈ آپریشن میں گرفتار ہونے والے جرائم پیشہ عناصر کو بلا تفریق کیفر کردار تک پہنچا سکیں، ورنہ یہ آپریشن اور یہ آمد تاریخ کے جھروکوں میں گم ہو کر ایک المناک داستان رقم کرے گی جس کے زخم شاید کبھی مندمل نہ ہو سکیں۔

اسلام اور مسلمان

ہم لوگ جرمنی میں تھے۔واپسی سے ایک دن پہلے کچھ وقت ملا تو بچوں کے لیے کچھ چیزیں خریدنے ایک ڈیپارٹ منٹل سٹور چلے گئے۔اسٹور کا مالک ایک سکھ تھا۔وہ ہمارے پاس آ کر بڑی بشاشت سے ملااور یہ معلوم کرکے بہت خوش ہوا کہ ہمارا تعلق پاکستان سے ہے۔اس نے فصیح وبلیغ اردو میں ،التجاء کے سے انداز میں کہا کہ خریداری سے فارغ ہو کر اگر آپ تھوڑی دیر کے لیے میرے دفتر تشریف لے آئیں تو آپ کی نوازش ہوگی۔ہم نے وعدہ کرلیا۔خریداری سے فارغ ہو کر ہم اس کے دفتر میں گئے ،دفتر ماشاء اللہ بڑی نفاست سے سجا تھا،نفاست اور سلیقہ مندی دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔اس نے مجھ سے عقائدِ اسلام کے متعلق مختلف باتیں دریافت کیں،میرے محبت بھرے جوابات سننے کے بعد وہ کہنے لگا کہ : مجھے تو یہ ساری باتیں بہت اچھی لگتی ہیں،میں ان سب کو ماننے کے لیے تیار ہوں۔اچھا یہ بتایئے کہ : اسلام کیسے لاتے ہیں؟میں نے کہا اس کا بہت آسان طریقہ ہے۔اسلام میں ایک کلمہ ہے اس کے مطلب ومفہوم کو اچھی طرح سمجھ کر جب آپ کو اس کے سچا ہونے کا یقین ہوجائے تو اسے دل سے مان کر زبان سے وہ کلمہ پڑھ لیا جائے۔وہ کہنے لگا ٹھیک ہے ،آپ مجھے وہ کلمہ پڑھا دیں،میں اسلام لانا چاہتا ہوں۔میں نے کلمہ پڑھا دیا اور اس کا مطلب بھی

سمجھا دیا۔اس کے بعد دین کے بنیادی ارکان کے بارے میں بتایا اور رہنمائی کے لیے اپنے میزبان سے تفسیر معارف القرآن اور نماز کی کتاب منگوا کر اسے ہدیہ کیں۔

رخصت ہونے سے قبل ہم نے کہا کہ اب آپ ہمارے ساتھ مل کر دعا کریں،اس وقت آپ کی دعا زیادہ قابل قبول ہے۔چنانچہ میں نے حدیث سنائی کہ ''اسلام لانے پر اللہ تعالیٰ پچھلے تمام گناہ معاف فرمادیتے ہیں'' لہٰذا آپ اس وقت سب گناہوں سے پاک ہیں،غرض ہم نے مل کر خوب دعا کی۔اس کے بعد میں نے کہا: مبارک ہو،اس وقت آپ ہم میں سب سے بہتر مسلمان ہیں،کیوں کہ آپ کے پچھلے سب گناہ معاف ہو چکے ہیں،یہ بڑی خوش نصیبی کی بات ہے۔وہ حیرانگی سے کہنے لگا: کیا میں مسلمان ہوں؟میں نے کہا ہاں الحمدللہ آپ مسلمان ہوگئے ہیں۔وہ کچھ دیر پریشان سا ہو کر سوچتا رہا،پھر بولا: نہیں! میں مسلمان نہیں ہوتا۔میں نے حیران ہو کر وجہ پوچھی تو وہ کہنے لگا:آپ نے جو باتیں بتائی ہیں وہ بہت اچھی ہیں،میں ان سب کو مانتا ہوں،مگر میں نے بہت مسلمان دیکھے ہیں کہ وہ اچھے نہیں ہوتے۔وہ جھوٹ بولتے ہیں،چوری کرتے ہیں،دھوکہ دیتے ہیں،ملاوٹ کرتے ہیں۔غرض اس نے مسلمانوں کی بہت سے خرابیاں بیان کیں۔آخر میں کہنے لگا کہ کیا ایسا نہیں ہو سکتا ہے کہ میں اسلام لے آؤں مگر مسلمان نہ بنوں؟میں اس مشکل سوال کے جواب میں اُسے تکنے لگا۔آخری بات جو اس نے کہی تھی وہ یہ تھی کہ میں سکھ

ہوں، سردار گوبندر سنگھ کا سکھ، میں مسلمان نہیں ہوں! حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی مد ظلہم فرماتے ہیں کہ اس ملاقات کے بعد بھی میرا ان سے بالواسطہ سلام وپیام کا سلسلہ جاری رہا، مگر ملاقات نہ ہو سکی، یہاں تک کہ ان کا اسی حالت میں اس کا انتقال ہوگیا۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس واقعہ سے مقصود امتِ مسلمہ کی حالتِ زار کو بیان کرنااور اس سے سبق حاصل کرنا ہے۔آج پوری دنیامیں مسلمان جس طرح پٹ رہے ہیں اس کی وجوہات میں سے ایک بڑی وجہ دینِ اسلام سے دوری ہے۔بحیثیت مجموعی اس وقت پورا اسلامی معاشرہ مختلف قسم کی بیماریوں میں مبتلا ہے۔کہیں فحاشی وعریانی اور بے حیائی کے سیلاب میں سادہ لوح مسلمان ڈوبتے جارہے ہیں تو کہیں کرپشن،بددیانتی، جھوٹ،غیبت،چوری ڈکیتی،شراب نوشی،وعدہ خلافی،زناء کاری،سودخوری جیسی قبیح عادات کا شکار ہوتے جارہے ہیں۔افسوس کی بات یہ ہے کہ غیر مسلم تعلیماتِ اسلام سے آگاہی حاصل کرکے حلقہ بگوش اسلام ہورہے ہیں اور مسلمان،ایمان لانے کے باوجود بھی اسلام سے دور ہوتے جارہے ہیں۔آپ صرف پاکستان کی مثال دیکھ لیں۔یہ ملک اسلام کے نام پر وجود میں آیا۔پینسٹھ سال بیت گئے لیکن یہاں اسلامی نظام نافذ نہیں ہوا۔یہی حال دیگر اسلامی ممالک کا ہے۔ہماری اس بد عہدی کی سزا ہے کہ آج پورا ملک بری طرح مسائل کے گرداب میں گھرا ہوا ہے۔اسلامی نظام سے روگردانی کا نتیجہ ہے کہ آئے

روز ہمارا معاشرہ المناک حادثات کا شکار ہو جاتا ہے۔ کبھی عصمت پر ڈاکہ زنی کرنے والوں کو روکنے پر، معصوم لوگوں کا خون چوس لیا جاتا ہے، تو کبھی دن دیہاڑے معصوم کلیوں کو مسَل کر پھینک دیا جاتا ہے۔ کہیں زبردستی آبروریزی اور درندگی کے دل دہلا دینے والے واقعات پیش آتے ہیں تو کہیں گھروں سے بہنوں اور بیٹیوں کو پھُسلا کر بھگانے کے واقعات سے ہمارا معاشرہ بدنام ہو جاتا ہے۔اس طرح کی معاشرتی برائیوں کی سب سے بڑی وجہ ہمارا دین اسلام سے دور ہونا اور ان برائیوں کے پنپنے کے خلاف سستی اور غفلت کا مظاہرہ کرنا ہے۔ دیکھا جائے تو اس وقت ہمارے ہاں معاشرتی برائیوں کے سدِباب کے لیے حکومت سے لے کر عوام تک چیخ رہے ہیں، میڈیا سے لے کر فن کاروں تک ہر کوئی فحاشی، عریانی، بے حیائی جیسی برائیوں کے خاتمے کے لیے مشورے اور تجاویز دے رہے ہیں، لیکن دینِ اسلام کی آفاقی تعلیمات کی طرف کوئی دھیان دیتا ہے، نہ اپنے گریبان میں جھانکنے کی کوئی فکر کرتا ہے۔ اس طرح کے المناک حادثات پر اس طرح کے لوگوں کا کام صرف سیاست چمکانا اور مفادات کا حصول ہوتا ہے۔ درندگی کے حالیہ واقعات پر ان لوگوں کا کیا کردار رہا، اس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں نے معاشرے کے رِستے زخموں پر مرہم رکھی یا نمک چھڑکا؟۔ اگر یہ لوگ واقعی معاشرتی برائیوں کے سدِباب میں سنجیدہ ہوتے تو آج بار بار ہمیں اس طرح کے واقعات سے ہزیمت اٹھانا پڑتی، نہ یوں اقوامِ عالم کے سامنے

شرم سے سر جھکانے پڑتے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی تمام برائیوں اور جرائم کے سدِباب کے لیے قرآن وسنت کے وسیع ذخیرے میں بیش بہا مواد موجود ہے۔ لیکن صرف اس مواد کے موجود ہونے سے معاشرتی بیماریوں اور مسائل سے چھٹکارا نہیں مل سکتا، بلکہ کرنا پڑے گا۔اس کے لیے سب سے پہلے (apply) اور اپلائی (follow) عملاً انہیں فالو ہمیں اپنے طرز عمل پر غور وفکر کرنا ہوگا، قول وفعل میں ہم آہنگی لانا ہوگی اور صحیح طریقے سے قرآن وسنت کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالنا ہوگا۔ کیوں کہ اسی میں ہماری فلاح اور بقاء ہے۔ آقاء نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ (میں نے تم میں دو چیزیں ایسی چھوڑی ہیں کہ اگر تم نے انہیں مضبوطی سے پکڑے رکھا تو تم کبھی گمراہ نہیں ہوگے، وہ دو چیزیں اللہ کا قرآن اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں) بھی ہمیں اس کی دعوت دیتا ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ ان دو چیزوں کے ذریعہ نہ صرف اپنی زندگیوں میں اور پورے معاشرے میں تبدیلی لا سکتے، بلکہ غیر مسلموں کے لیے بھی بہترین آئیڈیل اور نمونہ بن سکتے ہیں۔

سر مجھے معاف کردیں!

وہ زندگی کی پچیس بہاریں دیکھ چکا تھا۔ عمر کی چھبیسویں سیڑھی پر ابھی پہلا ہی قدم رکھا تھا کہ اس کے قدم ڈگمگانے لگ گئے۔ اُس نے کبھی سوچا تک بھی نہ تھا کہ اس قدر دشوار گزار مراحل کو کامیابیوں کے ساتھ سر کرنے کے باوجود منزلِ مقصود پر پہنچ کر ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ہاتھوں میں خوبصورت کتابیں اور عمدہ عمدہ نوٹ بکس تھامنے کے بعد سیمنٹ اور گارا کی بھاری بھر تگاریاں اٹھانا پڑیں گی۔ کمر پر کتابوں سے بھرے بیگ اٹھانے کے بعد گدھے کی طرح بار اٹھانا پڑے گا۔ ہر طرف سے داد و تحسین اور محبت و پیار کے بنڈل وصول کرنے کے بعد رسوائی کا سامنا کرنے پڑے گا۔ فاسٹ فوڈ اور ہوٹلنگ کے مزے لینے کے بعد دو وقت کی روٹی کے لیے دھکے کھانے پڑیں گے۔ ساری زندگی ناز و نعم میں گزارنے کے بعد مصائب اور آلام کی پریشانیاں جھیلنا پڑیں گی۔

بارہ سال تک ہر امتحان میں اول دوم پوزیشن لینے والے صادق آباد کے رہائشی غلام مرتضٰی کے دل میں ان باتوں کا کبھی خیال تک بھی نہ گزرا تھا۔ دسویں کلاس کے پچاس بچوں کے سامنے ''سر! آپ کی شکل بہت ڈراؤنی ہے'' کہتے وقت اُس نے یہ سوچا تک بھی نہ تھا، کہ مجھے اس ایک جملے کی وجہ سے اس قدر آزمائشوں سے

گزرنا پڑے گا۔ بھری کلاس میں دورانِ سبق استاد کی کسی بات پر جب اُس نے یہ جملہ کہا، تو استاد نے اپنے آنسوؤں کو پی کر سر نیچے جھکا لیا تھا۔غلام مرتضیٰ نے اگرچہ استاد کی سبکی کے بعد خوشی سے بغلیں بجا کر اپنے گروپ کے ساتھیوں سے داد وصول کی تھی، لیکن تقریباً چھ سال بعد اسے اپنی غلطی کا احساس اس وقت ہوا جب وہ ماسٹر ،الیکٹریکل اور میکینکل کے ڈپلومے حاصل کرنے کے باوجود مزدوری اور سبزی کی ریڑھی لگانے پر مجبور ہوا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد چار سال تک وہ یوں ہی دردر کی خاک چھانتا رہا ۔پھر ایک دن اُس کے ایک کلاس فیلو نے دس سال قبل کے اس دلخراش واقعہ کی طرف توجہ دلائی ۔جس پر اسے ندامت ہوئی اور وہ فوراًاس استاد کی تلاش میں نکل پڑا ۔تلاشِ بسیار کے بعد استاد کے گھر پہنچ کر جب دستک دی تو اتفاقاً استاد صاحب نے ہی دروازہ کھولا۔غلام مرتضیٰ استاد کو دیکھتے ہی پاؤں میں گر کر یہ فریاد کرنے لگا کہ ’’سر! مجھے معاف کردیں‘‘ ۔استاد صاحب نے بڑی شفقت سے اسے اٹھایا اور معاملہ دریافت کیا۔ غلام مرتضیٰ سے دس سال پرانا واقعہ سن کر استاد صاحب کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہوگی ۔آخر میں استاد صاحب نے غلام مرتضیٰ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ ’’ بیٹا میرے دل میں کوئی بات نہیں ہے، میرا دل تب بھی صاف تھا اور اب بھی صاف ہے‘‘۔

میرے دوست ساجد اشرف کے والد صاحب کے ساتھ پیش آنے والے اس دل خراش واقعہ

کی روئیداد سن کر میری آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔اگر ہم اپنے معاشرے کا جائزہ لیں تو ہمیں غلام مرتضیٰ جیسے بے شمار ٹیلنٹڈ نوجوان ملیں گے جو صحیح تربیت نہ ہونے کی وجہ سے لاشعوری طور پر بے ادبی، گستاخی اور اس طرح کی دیگر غلطیاں کر بیٹھتے ہیں۔اور پھر سالہا سال کی محنت کے بعد ڈگریاں ہاتھوں میں لیے دھکے کھاتے پھرتے ہیں۔دیکھا جائے تو اس وقت ہمارے معاشرے میں پائی جانے والی بے شمار معاشرتی خرابیوں کی ایک وجہ ہم خود ہیں۔اس لیے دوسروں کو کوسنے کی بجائے سب سے پہلے ہمیں اپنی اصلاح کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ مصروفیات کے نام پر خود کو اولادوں سے دور رکھ کر جس طرح ہم اپنی نوجوان نسل کو اخلاقی اقدار اور اسلامی تہذیب سے دور کر رہے ہیں،اس کا نتیجہ ہمیں غلام مرتضٰی جیسے نوجوانوں کی شکل میں دیکھنا پڑ رہا ہے۔ہم نے پیسے کی خاطر صبح سے لے کر رات گئے تک کولھو کے بیل کی طرح پلنے کی عادت بنا لی ہے۔ دنیا کی بے جا خواہشات کے حصول کے لیے اپنے اور اپنی اولاد کے درمیاں خلیج حائل کر لینا قطعاً درست نہیں ہے۔ یہ روش مغرب کی ہے،جہاں والدین کے لیے اولاد کے فائدے کی بات کرنا بھی جرم سمجھا جاتا ہے۔ہم ایک آفاقی دین کے پیروکار ہیں۔ہمارے مذہب میں معاشرے کے ہر طبقے کے افراد کے حقوق متعین ہیں۔ایک طرف اولاد کو والدین کی فرمانبرداری کا حکم دیا گیا ہے تو دوسری طرف والدین پر بھی اولاد کی بہترین تربیت کو لازم قرار دیا گیا ہے۔جس طرح خاندا

ن کے معاشی نظام کو چلانے کے لیے آٹھ گھنٹے تک کام کرنا ضروری ہے اسی طرح اولاد کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے کچھ وقت نکال کر ان کی تربیت کرنا بھی ناگزیر ہے ۔تاکہ عمدہ تربیت کے ذریعے انہیں معاشرے میں آداب واحترام کے ساتھ رہن سہن کا طریقہ آجائے ۔ورنہ آپ ﷺ کے ارشاد کہ '' تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے 'اور اس سے اس کے ماتحتوں کے متعلق باز پرس کی جائی گی'' کی وجہ سے کوتاہی اور غفلت پر بارگاہِ الٰہی میں بازپُرس کے سخت مراحل کا سامنا کرنے پڑے گا۔

غلام مرتضیٰ جیسے نوجوانوں کی تربیت کی ذمہ داری جس طرح والدین پر عائد ہوتی ہے اسی طرح اساتذہ پر بھی عائد ہوتی ہے ۔بدقسمتی سے ایک تو ہمارا نظام تعلیم اس قدر فرسودہ ہوچکا ہے کہ اس میں اولاً اخلاقی اقدار اور دینی تہذیب پر مشتمل کتب بہت کمیاب ہیں اور جو ہیں انہیں یا تو پڑھایا نہیں جاتا، یا پھر اخلاق سے عاری افراد کو پڑھانے پر مامور کر دیا جاتا ہے ۔جس کا نتیجہ اچھے خاصے ذہین طلباء کی بد تمیزی اور بے ادبی جیسے عادات سے لگایا جاسکتا ہے ۔اس لیے اپنی نوجوان نسل کو غلام مرتضیٰ جیسی ذلت ورسوائی سے بچانے کے لیے نہ صرف والدین کو اپنی اولاد کی تربیت کے لیے ٹھنڈے دماغ سے سوچنا ہوگا، بلکہ اساتذہ کرام کو بھی اخلاص نیت کے ساتھ '' تنخواہ برائے ڈیوٹی'' کی سوچ سے آزاد ہو کر قوم کے معماروں کی ذہنی واخلاقی تربیت کے لیے تیار ہونا

ہوگا۔ دوسری طرف نوجوان نسل کی اخلاقی تربیت کی خاطر حکومت کو بھی نصابِ تعلیم اور اس کی تدریس کرنے والوں کی مانیٹرنگ کرنے کے لیے ہنگامی طور پر موثر اقدامات اٹھانا ہوں گے۔ اس سلسلے میں اگر سکولوں کے حالیہ نصاب کو برقرار رکھتے ہوئے ایسے اساتذہ جو بذاتِ خود اخلاق وتربیت کے لحاظ سے اکمل و مکمل ہوں بھرتی کر لیے جائیں تو ''ہینگ لگے نہ پھٹکڑی' رنگ چوکھا آئے'' والی مثال پر اچھی طرح عمل ہو جائے گا۔ لیکن اس سلسلے میں بہرحال اصل ذمہ داری والدین کی ہے۔

میں کیوں وزیرستانی ہوں؟

انعام الرحمٰن پاکستان کی ایک یونیورسٹی کے طالب علم ہیں۔وہ جنوبی وزیرستان کے سب سے بڑے قبیلے محسود سے تعلق رکھتے ہیں۔ گزشتہ دنوں جب ان سے ملاقات ہوئی تو ان کے چہرے پر افسردگی کے اثرات دیکھے۔وجہ دریافت کی تو جواب ملا کہ یہ پریشانی اور غم صرف محسود اور وزیرستانی ہونے کی وجہ سے ہے۔کیا مطلب ؟میں نے وضاحت طلب کی۔انعام الرحمٰن نے وضاحت کرتے ہوئے اپنی اور اپنے علاقے کی دل خراش داستان بیان کی۔ جسے سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔انعام الرحمٰن کی داستان ان کی زبانی کچھ اس طرح تھی۔''میرا تعلق جنوبی وزیرستان سے ہے۔قبیلہ کے لحاظ سے میں محسود ہوں۔جنوبی وزیرستان میرا آبائی علاقہ ہے۔نائن الیون تک یہ علاقہ بہت پرامن تھا۔ہم لوگ اطمینان سے اپنی زندگیاں گزار رہے تھے۔ تعلیم و تعلم کا سلسلہ بھی اچھا تھا اور روزگار کے لیے ذرائع اور مواقع بھی بہتر تھے۔نائن الیون کے بعد امریکہ کی طرف سے افغانستان پر یلغار ہوئی تو ہمارے گرد بھی خوفناک بادل منڈھ لانے لگے۔آپ کو معلوم ہے کہ قبائلی عوام مذہبی لحاظ سے انتہائی کٹر ہیں۔یہی وجہ ہے کہ وہ ہر حکمِ الٰہی پر عمل کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں چاہے جتنی بھی تکلیف اٹھانا پڑے۔چنانچہ اسی مذہبی روایت کے اثر کی وجہ سے یہاں کی عوام نے افغانستان میں روس کے خلاف جنگ میں حصہ

لیا تھا۔ نائن الیون کے بعد امریکہ نے اس حکمِ الٰہی کے ''جرم'' میں جہاں افغان مجاہدین کو تختہ مشق بنانے کا مذموم ارادہ کیا وہیں قبائلی عوام کے گرد پر بھی گھیرا تنگ کرنے کی ٹھانی۔ ۲۰۰۳ء میں جنوبی وزیرستان میں فوج بھیجنے کا مقصد صرف اور صرف اسی مذموم مقصد کی تکمیل تھی۔ چنانچہ اسی سال سے پورے علاقے میں کشیدگی پیدا ہونے لگی۔ وہ دن ہے اور آج کا دن جنوبی وزیرستان میں امن کی فضاء ایک خواب بن کر رہ گئی ہے۔ ۲۰۰۹ء میں آخری فوجی آپریشن ''راہِ نجات'' کے نام سے کیا گیا۔ جس سے جنوبی وزیرستان کی عوام کی زندگیاں تباہ ہو گئیں۔ شاید آپ سمجھ رہے ہوں گے کہ یہ آپریشن تو دہشت گرد عناصر کے خلاف کیا گیا جو اسٹیٹ کے لیے ایک خطرہ بنتے جا رہے تھے، تو پھر کیسے عوام کی زندگیاں تباہ ہوئیں؟۔ آپ یہ سمجھنے میں حق بجانب ہیں، لیکن شاید آپ کو اصل حقائق معلوم نہیں کہ ان عناصر کے خاتمے کی کتنی بھاری قیمت جنوبی وزیرستان کی معصوم عوام کو چکانی پڑی۔ ڈرون حملوں سے ہماری زندگیاں پہلے ہی اجیرن ہو چکی تھیں، اس آپریشن نے رہی سہی زندگی کی رمق بھی ختم کر دی۔ ہمارے وہ گھر جہاں کبھی ہم ہنستے بستے زندگی گزارتے تھے، فوج کی بمباری سے ملیا میٹ ہو گئے۔ وہ لہلہاتے کھیت جو ہماری ضروریاتِ زندگی کو پورے کرتے تھے ویران کر دیے گئے۔ وہ پرامن ماحول جس میں ہم بلاخوف وخطر رہتے تھے چھین لیا گیا۔ اس آپریشن نے ہمیں گھر سے بے گھر کیا، تعلیم سے

محروم کیا، ہمارے منہ سے نوالے چھینے اور ہمارے جسموں سے کپڑے تک اتار لیے ۔شاید آپ کو معلوم نہیں کہ اس آپریشن کے بعد وہاں بسنے والے لوگوں کی اب کیا حالت ہے۔ سنیے ! جس گھر میں ایک والد پندرہ افراد کی کفالت کرتا تھا آج وہ اس بمباری کی وجہ سے دنیا میں نہیں رہا۔ اس کے زیر سایہ پرورش پانے والے افراد در در کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ جو بچے سکولوں میں تعلیم حاصل کرتے تھے آج سر سے والد کا سہارا اٹھنے کی وجہ سے اپنے گھر کی کفالت کے لیے مارے مارے پھر رہے ہیں۔ وہ مائیں بہنیں اور بیٹیاں جو گھر کی چاردیواری میں عزت سے زندگی گزار رہی تھیں آج اپنی عصمت کے لیے محفوظ آشیانوں کی تلاش میں رُل رہی ہیں۔ میں ان لوگوں کا اور اس طرح کے المناک واقعات کا چشم دید گواہ ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ اس ایک آپریشن نے جنوبی وزیرستان کی معصوم عوام کو کن حالات سے دوچار کیا ہے۔ اگر آپ کو یقین نہ آئے تو خود میری حالت کو دیکھ سکتے ہیں۔ میرا پورا خاندان اس آپریشن کی وجہ سے اپنے گھر بار سے محروم ہوا اور آبائی گاؤں سے جلاوطنی کی انتہائی اذیت ناک مشقت سے دوچار ہوا۔ اور میرے چہرے پر افسردگی اس لیے چھائی ہے کہ معصوم عوام کی دردر کی ٹھوکریں میری روح کو تڑپاتی رہتی ہیں۔"

انعام الرحمٰن اپنے علاقے اور اپنی قوم کے لوگوں پر گزرنے والے قیامت خیز مناظر کی روئیداد سنائے جا رہا تھا اور میں دل ہی دل میں افسردگی کے عالم

میں یہ سوچ رہا تھا کہ نہ جانے شمالی وزیرستان کی عوام پر ممکنہ فوجی آپریشن سے کتنی بڑی قیامت بپا ہوگی۔اس میں کوئی شک نہیں کہ اسٹیٹ کی سلامتی کو چیلنج کرنے والے دنیا کی نظر میں رعایت کے مستحق نہیں ہو سکتے۔ ہر صاحبِ عقل یہ جانتا ہے کہ پائیدار ملک اسی وقت اپنا وجود برقرار رکھ سکتے جب وہ اپنے خلاف اٹھنے والی ہر طاقت کو زیر کر سکیں۔معاشرے اسی وقت پرامن رہ سکتے ہیں جب امن کے بخیے ادھیڑنے والے جراثیموں کا سرے سے صفایا کر دیا جائے۔ فتنہ فساد اور انتشار پھیلانے والے عناصر ہوں یا انتہا پسندی کے فروغ اور ترویج کے لیے بننے والے آلہ کار ہوں،ایک پرامن معاشرے اور پائیدار اور مضبوط ملک کی بقاء کیے لیے یہ ناگزیر ہے کہ ان عناصر اور آلہ کاروں کا فوری قلع قمع کیا جائے۔لیکن ان جراثیموں کے خاتمے کے لیے نہ صرف احتیاطی تدابیر اور کم نقصان والی دواؤں کو استعمال کرنا ضروری ہوتا ہے،بلکہ ان آلہ کاروں کے لیے ہتھیار اور طاقت کی زور آمائی کے انتہائی اقدام کے لیے ہزار بار سوچنا بھی ضروری ہوتا ہے۔دنیا میں جہاں کہیں اس طرح کی کاروائیوں کی ضرورت پیش آتی ہے وہاں نقصانات اور فوائد کا تخمینہ لگا کر طاقت کا استعمال کیا جاتا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں الٹی گنگا بہتی ہے۔ہر کام کو کیا پہلے جاتا ہے اس پر سوچ وبچار بعد میں کی جاتی ہے۔ اگر آپ کو یقین نہ آئے تو نائن الیون کے بعد قبائلی علاقوں بالخصوص جنوبی وزیرستان میں کی جانے والی کاروائیوں کا جائزہ لے لیں۔جانی اور مالی لحاظ سے کس قدر نقصان ہو ااس کا

صحیح تخمینہ لگانا بھی شاید مشکل ہو جائے۔

شمالی وزیرستان میں فوجی آپریشن ناگزیر ہے یا نہیں، اس سے قطع نظر اگر جنوبی وزیرستان میں کیے جانے والے فوجی آپریشن اور ۲۰۰۳ء سے جاری قبائلی علاقوں میں آپریشنز سے ہونے والے نقصانات اور فوائد پر تھوڑی دیر سوچ وبچار کر لی جائے تو باآسانی اس ممکنہ فوجی آپریشن کی ضرورت واضح ہو جائے گی۔ دنیا کا ہر آدمی جس میں تھوڑی سی بھی فہم وفراست ہو وہ اس بات سے قطعاً انکار نہیں کر سکتا کہ آگ کو آگ سے نہیں بجھایا جا سکتا، طاقت کو طاقت کے ذریعے مات نہیں دی جا سکتی، نقصان کی تلافی نقصان کے ذریعے نہیں کی جا سکتی، معصوم عوام کے گھروں کی اینٹ سے اینٹ بجا کر بدامنی اور دہشت گردی پر قابو نہیں پایا جا سکتا، اور اصل مجرموں تک پہنچنے کے لیے وہاں رہنے والے لوگوں سے انتہائی بھیانک سلوک روا نہیں رکھا جا سکتا۔ بلکہ اس کے لیے ''پانی محبت، تحمل، بردباری، دل جوئی کے عمدہ طریقے ہی کارآمد ہو سکتے ہیں۔ اس لیے،'' دہشت گردی کے خاتمے کے لیے اٹھائے جانے والے اس انتہائی اقدام پر نہ صرف سوچ وبچار کی ضرورت ہے بلکہ صبر و تحمل کے ساتھ اس کاروائی کے نتیجے میں ہونے والے نقصانات اور فوائد پر غور کرنا بھی ضروری ہے۔ تاکہ کل پھر کوئی شمالی وزیرستان سے فداء الرحمٰن دل میں یوں پریشانی اور افسردگی کے زخم لیے اپنے آپ کو نہ کوستا رہے کہ ''میں کیوں وزیرستانی ہوں''۔

شاہوں کی شاہ خرچیاں

''ہم جب سے مسلمانوں کے خلیفہ بنے ہیں ہم نے مسلمانوں کا کوئی دینار کھایا ہے، نہ کوئی درہم۔البتہ ان کا جھوٹا موٹا (بچا کھچا) کھانا ضرور کھایا ہے اور ایسے ہی ان کے موٹے اور کھردرے کپڑے ضرور پہنے ہیں۔اس وقت ہمارے پاس مسلمانوں کے مال غنیمت میں سے اور تو کچھ نہیں البتہ یہ تین چیزیں ہیں۔ایک حبشی غلام، دوسرا پانی والا اونٹ اور تیسری یہ پرانی اونی چادر۔جب میں مرجاؤں تو یہ تینوں چیزیں حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دینا اور ان کی ذمہ داری سے مجھے فارغ کر دینا''۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنی وفات کے وقت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو یہ وصیت کرتے ہوئے فرمایا۔چنانچہ حضرت عائشہؓ نے اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد یہ تینوں چیزیں ایک قاصد کو دے کر حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیں۔حضرت عمرؓ کے پاس جب یہ چیزیں لائیں گئیں تو آپ رونے لگے اور اتنے روئے کہ آپ کے آنسو زمین پر گرنے لگے۔آپؓ نے فرمایا کہ'' اللہ ابوبکرؓ پر رحم فرمائے۔انہوں نے اپنے بعد والوں کو مشکل میں ڈال دیا ہے'' (دنیا میں اجتماعی اموال سے کچھ نہ لینے کا ایسا اونچا معیار قائم کیا ہے کہ بعد والوں کے لیے اسے اختیار کرنا بہت مشکل ہے)۔پھر آپؓ نے اپنے غلام سے فرمایا کہ'' ان چیزوں کو اٹھا کر رکھ لو''۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کا مسلمانوں کے اجتماعی مال سے اس قدر احتیاط برتنے کا صرف یہی ایک واقعہ نہیں بلکہ اس جیسے کئی واقعات ہیں اور پھر اس طرح کے واقعات صرف حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ تمام صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں اس جیسے واقعات ملتے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ کے ان واقعات میں سے ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ جب آپ کو خلافت کی ذمہ داری سونپی گئی تو آپؓ حسب عادت بازار میں تجارت کے لیے تشریف لے جارہے تھے تو حضرت عمرؓ نے یہ کہہ کر منع فرمادیا کہ اب آپ پر خلافت کی ذمہ داری ہے اس لیے آپ زیادہ سے زیادہ وقت اس ذمہ داری کے نبھانے میں صرف کریں۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ کیا اس ذمہ داری کے لیے اتنا وقت دینا پڑے گا کہ گھر والوں کے لیے کمانے کا وقت بھی نہ بچے (اگر سارا وقت اسی میں صرف کیا جائے گا تو گھر والوں کو کھلاؤں گا کہاں سے ؟۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم آپ کے لیے اور آپ کے اہل وعیال کے لیے بیت المال سے مناسب مقدار میں وظیفہ مقرر کر دیتے ہیں۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ کے مشورے سے آپؓ کے لیے وظیفہ مقرر کر دیا گیا۔ آپؓ نے دو سال سے زائد عرصہ زمانہ خلافت میں آٹھ ہزار درہم لیے تھے۔ لیکن جب موت کا وقت قریب آیا تو آپؓ نے فرمایا کہ ”میں نے اس وقت بھی حضرت عمرؓ سے کہا تھا کہ میرے لیے اس مال میں سے لینے کی گنجائش نہیں ہے لیکن اس وقت عمرؓ مجھ پر غالب آ گئے تھے۔ لہٰذا جب میں مر جاؤں تو میرے مال میں سے آٹھ ہزار درہم بیت المال میں جمع

کرادینا''۔

یہ دوواقعات عام واقعات کی طرح محض واقعات ہی نہیں بلکہ ان میں تمام مسلمانوں بالخصوص حکمرانوں اور وزیروں مشیروں کے لیے بہت سے رموز ،اسرار اور دروس پنہاں ہیں۔ مسلمانوں کا حکمران چاہے وہ امیر ہو یا صدر ، وزیراعظم ہو یا وزیر خزانہ یا کوئی اور وزیر، وہ مسلمانوں کے اجتماعی اموال کا نہ صرف نگہبان ہوتا ہے بلکہ اس کا امین بھی ہوتا ہے۔اس کی ذمہ داریوں میں جہاں یہ بات شامل ہوتی ہے کہ مسلمانوں سے زکوۃ، صدقات اور ٹیکس وغیرہ کے ذریعے مال جمع کرے ،وہیں اس کی یہ ذمہ داری بھی ہوتی ہے کہ وہ اس مال کو ضائع ہونے سے بچائے،جہاں جو ضرورت ہو اس کی بقدر خرچ کرے اور فضول خرچی، عیاشی، کرپشن ،بددیانتی اور اقرباپروری جیسی مدوں کی نظر ہونے سے محفوظ رکھے۔ بدقسمتی سے اسلامی جمہوریہ پاکستان میں دیگر اسلامی اصولوں کی خلاف وزیوں کے علاوہ مسلمانوں کے اجتماعی اموال میں بددیانتی، لاپرواہی اور فضول خرچی کرکے اسلامی احکامات کی دھجیاں اڑائیں جارہی ہیں۔ یہ سب کچھ صرف میں نہیں ہورہا بلکہ گزشتہ پینسٹھ سالوں سے ہر دور میں ہوتا رہا ہے۔ گزشتہ 2014 دنوں پی ٹی آئی کی طرف سے دعویٰ کیا گیا تھا کہ وزیراعظم ہاؤس کا روزانہ کا خرچہ چالیس لاکھ ہے۔ وزیراعظم ہاؤس کی طرف سے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا گیا کہ وزیراعظم ہاؤس کا روزانہ کا خرچہ 40 لاکھ نہیں ہے بلکہ 10 لاکھ ہے۔ سوچنے کی

بات یہ ہے کہ روزانہ کی بنیاد پر قوم کے خزانے سے دس لاکھ خرچ کرنا کیا کوئی معمولی بات ہے۔ایک ایسے ملک میں جہاں ایک مزدور کو اوسطاً روزانہ دو ڈالر سے بھی کم ملتے ہوں، جہاں غریب آدمی کو دو وقت کے لیے روٹی بھی بمشکل ملتی ہو، جس ملک کی 60 فیصد آبادی خط غربت سے نیچے زندگی بسر کر رہی ہو، جس ملک میں تھرپارکر اور چولستان کے علاقوں میں انسانیت بھوک کی وجہ سے مر رہی ہو، جہاں 6 لاکھ آئی ڈی پیز دربدر پھر رہے ہوں، خود ہی فیصلہ کیجیے ! کہ اس ملک کا حکمران اگر دس لاکھ روزانہ مہمانوں کی ضیافت کی نذر کردے تو یہ اٹھارہ کروڑ عوام کے ساتھ ظلم اور فراڈ نہیں تو اور کیا ہے۔شاہوں کی شاہ خرچیوں کا اندازہ آپ اس سے لگائیں کہ گزشتہ ایک سال کے دوران وزیراعظم میاں نواز شریف نے 9 غیر ملکی دوروں پر 19 کروڑ دس لاکھ سے زائد روپے قوم کے خزانے سے خرچ کیے۔یہ شاہ خرچیاں صرف وزیراعظم نے ہی نہیں کیں بلکہ قومی اسمبلی کے تقریباً ہر ممبر نے قوم کے خزانے کی اس ''بہتی گنگا'' میں دل کھول کر ہاتھ دھوئے ہیں۔یقین نہ آئے تو حالیہ بجٹ اجلاس کی صرف کھانے کی رپورٹ دیکھ لی جائے۔اس رپورٹ کے مطابق بجٹ اجلاس کے دوران قوم کی نمائندگی کرنے والے اراکین قومی اسمبلی نے پندرہ دنوں میں قوم کے خون پسینے کی کمائی سے ایک کروڑ کا کھانا کھایا۔حیران کن بات یہ ہے کہ ان پندرہ دنوں میں قومی اسمبلی کے 342 رکنی ارکان کی تعداد کسی دن بھی 200 تک نہ پہنچ سکی، پھر بھی روزانہ 600 افراد کے کھانے پر سات لاکھ بیس ہزار روپے خرچ کیے گئے۔

حکومتی ایوانوں میں قوم کے جیبوں سے پیسے نکال کر کس طرح عیاشیاں کی جاتی ہیں ان کی مکمل تفصیلات تو سربستہ راز ہیں۔مذکورہ اعداد وشمار تو وہ ہیں جو کسی طرح میڈیا کے ذریعے سامنے آ گئے۔ان دو تین رپورٹوں سے باآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اٹھارہ کروڑ عوام کے نمائندے کس طرح لوگوں کو بے وقوف بنا رہے ہیں۔آج اگر ملک میں بے روزگاری، غربت، مہنگائی، کرپشن، بددیانتی، خودکشی اور رشوت خوری جیسے مسائل عروج پر ہیں تو اس کی اصل وجہ انہی حکمرانوں کی عیاشیاں ہیں۔اٹھارہ کروڑ مسلمانوں پر حکومت کرنے والے ان حکمرانوں کو خلفاء راشدین بالخصوص حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے دورِحکومت سے سبق سیکھنا چاہیے کہ کس طرح انہوں نے عوام کے خزانے کی دیکھ بھال کی اور کیسے عوام سے جمع کی ہوئی رقوم کو عوام کی ضروریات میں استعمال کیا۔ان عظیم خلفاء کے عہدِزریں میاں نواز شریف ہی نہیں بلکہ پوری امت مسلمہ کے حکمرانوں کے لیے مشعل راہ ہے۔یقیناانہی کی راہ پر چل کر امت مسلمہ غلامیت اور مغلوبیت سے نکل کر غالب اور ترقی کی راہ پرگامزن ہو سکتی ہے۔بصورتِ دیگر اگر ان شاہوں کی شاہ خرچیاں اسی طرح جاری رہیں تو بہت جلد یہ شاہ نشان عبرت بن جائیں گے، کیوں کہ ظلم کی عمر زیادہ لمبی نہیں ہوتی۔اس لیے آنکھوں والوں کونشان عبرت بننے سے پہلے عبرت حاصل کرلینی چاہیے۔